سیرت سیدنا امام حسن علیہ السلام

تصنیف

محمد شہباز قادری

نام کتاب	:	سیرت حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام
مصنف	:	محمد شہباز قادری
پہلا ایڈیشن	:	جنوری ۲۰۲۰ء
طابع	:	
کمپوزنگ	:	محمد اویس سیفی
ٹائٹل ڈیزائن	:	محمد حسنین
ہدیہ	:	/.

قارئین! کتاب کے متن میں اگر کہیں غلطی نظر آئے تو
اصلاح فرما دیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کر لی جائے۔(ناشر)

ہدیۂ تبریک

بحضور

سرورِ کائنات فخرِ موجودات سیدنا و مولانا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی آلِ پاک

کے نام



انتساب

سید عباس شاہ صاحب گیلانی

اور جمیع محبینِ اہلِ بیت

کے نام

محمد شہباز قادری

فہرست عنوانات

مقدّمہ

تمام تر حمد وثناء اُس ذات بابرکات کیلئے ہے کہ جس کے لُطف وکرم سے کائنات ارضی وسماوی کا گوشہ گوشہ روشن وتاباں ہے۔اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وُہ یکتا وتنہا ہے اُسکی بادشاہی میں کوئی اُس کا شریک نہیں ۔اُس کے اذن کے بغیر کوئی پتہ نہیں گرتا۔مخلوقات کی زندگی اور موت اُسی کے حکم سے ہے۔وہ جسے دینا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے وہ دینا نہ چاہے اُسے کوئی دے نہیں سکتا۔وہی رب العالمین ہے۔

مخلوقات کی ہر طرح کی ضروریات پوری فرمانے والا فقط وہی ہے وہی اجسام کو پالتا ہے اور وہی ہماری روحانی ضروریات کو پورا کرتا ہے وہ اپنے بندوں کیلئے کافی ہے۔جسم کیلئے اُس نے خوراک پیدا کی اور روح کیلئے اُس نے علم بخشا خوراک کا منبع اور source اُس نے زمین کو بتایا جبکہ علم کے سرچشمے اُس نے انبیاء اور اولیاء کو تفویض کیے ۔اس لیے جسم کی آخری منزل زمین ہے ۔جبکہ پاکیزہ روحوں کی منزلیں آسمانوں میں ہیں ۔جو روح جس قدر لطیف ہوگی اُس کا مقام اسی قدر ارفع و بلند ہوگا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝٩

جس طرح خوراک کے حصول کیلئے زمین سے تعلق ضروری ہے اسی

طرح علم کے حصول کیلئے پاکباز بندوں سے تعلق ضروری ہے چنانچہ اس قرینے اور قاعدے کے مطابق خالقِ ارض وسمانے مخلوقات جن وانس کی راہنمائی کیلئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاومرسلین کومبعوث فرمایا۔اوران میں سے بعض کوبعض پر فضیلت بخشی اورتمام تر شرف ونیابت اکملیت اورامامت کا تاج اپنے آخری نبی ورسول حضورسیدناومولانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کونصیب فرمایا۔

چونکہ آپ اس مقدس طائفے کے آخری فردہیں۔اس لیے اب قیامت تک رشدوہدایت اورنجات کاتعلق بھی آپکی ذات بابرکت سے اکتسابِ فیض پر مشروط ہے۔جوجس قدراُسوۂ رسول کی پیروی کرگیاوہ اسی قدرخدائے لم یزل کی عنایات کامستحق ٹھہرا۔

اس ضمن میں دوگروہ تمام اُمت پرفضیلت رکھتے ہیں ایک گروہ آلِ محمد ہےاوردُوسرا گروہ اصحابِ محمد ہے اصحابِ محمد کی فضیلت تمام اُمت پر مسلّم ہے۔ لیکن اصحاب محمد کےبھی امام اورسرداراآلِ محمد کےافرادِمقدسہ ہیں آلِ محمد کودوطرح کی فضیلت حاصل ہےاول تو یہ کہ ہرفردآلِ محمد صحابی بھی ہےاوردوم یہ کہ حضور سےنسبی وخونی تعلق کا شرف بھی انہی کا حصہ اورمقدرٹھہرا۔لوگ اس معاملے میں Confused ہیں مگرحق یہ ہے کہ جس صحابی کورسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نےممتازکرناچاہااُس کے لیےفرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرےاہل بیت میں سے ہیں۔''

امامت وسرداریاں ازل سے ہی اہل بیتِ اطہارکے لیےمخصوص ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ لفظ ''امام'' فقط اہلِ بیتِ اطہار کے لیے استعمال کیا گیا اگر چہ ظاہری امامت و خلافت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی نصیب ہوئی مگر ''امام'' صرف آلِ رسول کو ہی کہا گیا۔ اس شرف و فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ آلِ رسول کو قیامت تک کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باطنی و روحانی خلافت نصیب ہوئی اور اسکی جانب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے متعدد احادیث مُبارکہ میں اشارہ کیا چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں قرآن اور اہلِ بیت تم ان کے دامن سے وابستہ رہنا ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔''

ان احادیث کے اولین مخاطب جمیع صحابۂ کرام ہیں جن میں حضرت ابوبکر بھی ہیں حضرت عمر بھی ہیں اور حضرت عثمان بھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اہلِ بیتِ اطہار کی جمیع اُمت پر فضیلت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔

اہلِ بیتِ اطہار کی اس رفعت و شان کو بعد میں آنے والے مولوی حضرات تو نہ سمجھ سکے لیکن خلفائے ثلاثہ اس حقیقت سے پُوری طرح آشنا تھے یہی وجہ ہے کہ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ تینوں خلفائے راشدین حضرت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی تعظیم اور تکریم بجا لاتے تھے۔ حالانکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے موقع پر دونوں شہزادوں کی عمریں صرف سات اور آٹھ سال تھیں۔ چھوٹوں سے شفقت و محبت اور معاملہ ہے

لیکن تعظیم وتکریم بجالانا اور بات ہے۔اب خلفائے ثلاثہ کے اس متفقہ طرزِ عمل کے بالمقابل جو کوئی بھی اپنا من گھڑت نظریہ پیش کرے اور اصحاب کو آل پر فضیلت بخشے وہ نادان ہے۔

نادان لوگوں نے ظاہری حکومت کو پیمانۂ فضیلت سمجھا اور جھگڑنا شروع کر دیا آج بھی شیعہ وسُنی میں یہی تنازعہ ہے حلانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ اجماعِ اُمت اسی حقیقت کے عین مطابق ہے۔

چنانچہ امام حسن علیہ السلام تو کہا جاتا تھا ہے اور رہے گا مگر امام معاویہ کہنے کی جرأت کسی نے آج تلک نہ کی۔جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت و امارت پر متمکن ہونا اور چیز ہے۔اور امامت کے لیے ازل سے مخصوص ہونا اور بات ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''سیرت سیدنا امام حسن علیہ السلام'' احقر العباد کی طرف سے ایک حقیر سی کاوش ہے کیونکہ جس کی مدح سرائی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کی ہو اُس کی تعریف وتوصیف میرے جیسا کوئی عامی کس طرح سے کرسکتا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کے ضمن میں میری مدد فرمائے کیونکہ اُسکی توفیق کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہے اس کتاب کا ایک ایک حرف اُسکی رضا کیلئے ہو اور اُسکی رضا کے عین مطابق ہو اور کتاب خاکسار کیلئے اُسکی دائمی رضا وقرب کا ذریعہ بنے زمین وآسمان میں مقبول ہو اور مجھے اور میرے ساتھ اس

راہ کے مسافروں کو حضور اور اُن کی آل کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

یہاں پر اگر میں محترم المقام سید عباس شاہ صاحب الگیلانی کا شکریہ ادا نہ کروں تو بہت بڑی ناانصافی ہوگی آنجناب نے مؤرخہ 16 اپریل 2018 بروز پیر کو فقیر کو فون کر کے اس موضوع پر قلم اُٹھانے کی ترغیب دلائی اور شاہ صاحب کا فون میرے لئے حکم کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمت عطاء کی اور اُسی روز اس کتاب کو لکھنے کا آغاز ہوا۔ اللہ رب العزت شاہ صاحب کو اور اُنکے جملہ متعلقین کو دائم شاد و آباد رکھے آمین۔

سگِ درِ حیدرِ کرار

محمد شہباز قادری

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ بمطابق 18-04-18

تعارف

آپ کا اسم گرامی حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔آپ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے اور حدیثِ مبارکہ کے مطابق آخری خلیفہء برحق ہیں۔

ولادت باسعادت

سن تین ہجری 15 رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں اللہ رب العزت نے امیر المومنین امام المتقین حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ شیر خُدا علیہ السلام اور دُختر رسول سیدہٗ کائنات بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو فرزندِ ارجمند سے نوازا جو ہو بہو شبیہہ رسول تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب اطلاع دی گئی تو آپ نے نام مبارک حسن تجویز کیا۔

یہ نام عربوں کیلئے غیر معروف تھا گویا جس طرح سے آپ کو سیرت و کردار میں بے مثل بننا تھا اسی طرح خالق کائنات نے آپ کے کیلئے نام بھی بے مثل ہی پسند فرمایا۔ پیدائش کے ساتویں روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کا سر منڈوایا، بالوں کے وزن کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی ۔اور دو مینڈھے اللہ رب العزت کی راہ میں قربان کیے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دورِ حیات میں اور بعد از وصال بھی جو کوئی بھی امامِ حسن علیہ السلام کو ایک بار دیکھ لیتا وہ بے ساختہ پُکار اُٹھتا کہ آپ شبیہ رسول ہیں۔

امام بخاری نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے

کہ ''امام حسن علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ اور آپ کے سوا کسی اور کی صورت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نہیں ملتی تھی۔''

سیدہ کائنات حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا آپ علیہ السلام کے بارے میں اکثر یوں ارشاد فرماتیں:

''بأبي شبه النبي وليس شبها بعلي''

(مسند امام احمد بن حنبل)

آپ علیہ السلام کا رنگ مبارک سُرخی مائل گورا تھا آنکھیں بڑی روشن اور سیاہی مائل تھیں۔ رخسار مبارک نرم تھے داڑھی گھنی تھی گویا حقیقی معنوں میں فرزند رسول تھے۔

شانِ محبوبیت

آپ کی رفعت وشان کا بھلا کوئی کس طرح سے اندازہ لگا سکتا ہے آپ فرزند دخترِ رسول ہیں۔ آپ جگر گوشۂ علی المرتضیٰ شیر خُدا ہیں۔ آپ نواسۂ امام

الانبیا ہیں۔ آپ برادرِ سید الشہدا ہیں۔ ابنِ سعد نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے کہ:

''تمام لوگوں کی بہ نسبت سیدنا امام حسین علیہ السلام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔''

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سجدہ میں ہیں اور امام حسن علیہ السلام آ کر آپکی گردن مبارک یا پیٹھ مبارک پر بیٹھ گئے جب تک آپ خود بخود نہ اُتر جاتے حضور آپ کو نہ اُتارتے۔

پھر فرماتے ہیں: میں نے یہ بھی دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رکوع میں ہیں امام حسن علیہ السلام آئے اور آپ کی دونوں ٹانگوں میں سے ہو کر دوسری طرف نکل گئے۔

طبقات ابنِ سعد میں بھی ابنِ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام حسن علیہ السلام جب کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنی زبانِ اقدس نکالتے تو حضور اس کی سرخی دیکھ کر بہت ہی شاداں و فرحاں ہوتے۔ صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امام حسن علیہ السلام کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے یہ دُعا فرما رہے تھے: ''اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب بنالے۔''

امام بخاری نے حضور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے کہ ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے پہلوئے اقدس میں برسرِ منبر سیدنا امام حسن کو بٹھائے ہوئے تھے کبھی اُن کو دیکھتے اور کبھی حاضرینِ مجلس کی جانب متوجہ ہوکر فرماتے۔

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ اس کے ذریعے سے
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔''

اس حدیثِ مبارکہ پر مزید گفتگو اگلے صفحات میں کی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے امام بخاری یہ حدیث شریف بھی لائے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حسن وحسین یہ دونوں میری دنیاوی خوشبوئیں ہیں۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الحسن والحسین سید الشباب اھل الجنۃ

حسن وحسین دونوں نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

(ترمذی، المستدرک لحاکم)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں شہزادوں یعنی سیدنا امام حسن علیہ السلام اور سیدنا امام حسین علیہ السلام کو اپنے کولہوں پر بٹھا کر فرمایا:

''یہ دونوں میرے بیٹے یعنی میری چھوٹی بیٹی کے بیٹے ہیں اے
اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور ان
سے محبت کرنے والوں کو بھی اپنا محبوب بنالے۔''

(ترمذی شریف)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے
پوچھا یارسول اللہ! آپ کو اہل بیت میں سے کس سے زیادہ محبت
ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا حسن و حسین سے۔

(ترمذی شریف)

حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امام حسن علیہ السلام کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھے یہ دیکھ کر ایک آدمی نے کہا اے صاحبزادہ تمہاری سواری بڑی اچھی ہے اس پر سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سوار بھی تو دیکھو کتنا اچھا ہے۔''

یہی بات صحیح بخاری و مسلم میں بھی مذکور ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام اور سیدنا امام حسین علیہ السلام اس حال میں تشریف لائے اور حضور نے دونوں شہزادوں کو گود میں اُٹھالیا۔ واللہ! یہ شان یہ عزت یہ تمکنت یہ وقار یہ

پروٹوکول صرف اور صرف حسنین کریمین ہی کا مقدر ہے۔ فداك امی و ابی یا آلِ رسول علیه الصلوٰة والسلام

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بیٹوں کو لاؤ جب آپ دونوں شہزادوں کو لیکر حاضر خدمت ہوتیں تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں کو سینۂ اقدس سے لگاتے اور خوب پیار کرتے۔

مسلم شریف میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا امام حسن علیہ السلام کے متعلق یہ ارشاد فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحْبِبْ مَنْ یُّحِبُّهٗ۔"

اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور اُس سے بھی محبت رکھ جو اس سے محبت رکھے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت سے سیدنا امام حسن علیہ السلام کو محبوب رکھتا ہوں جب سے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

"رایت الحسن فی حجر النبی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم وهو یدخل اصابعه فی لحیة النبی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم یدخل لسانه فی فمه ثم یقول اللهم انی اُحبه فاحبه۔"

میں نے دیکھا کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گود مُبارک میں ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مُبارک میں انگلیاں ڈال رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی زبان مُبارک اُن کے مُنہ میں دے کر یہ فرما رہے ہیں۔ اے اللہ میں اسے اپنا محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے اپنا محبوب رکھ۔

(کنزالعمال، انوارِ نبوت)

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے سیدنا امام حسن علیہ السلام کو اپنے شانہ اقدس پر بٹھا رکھا ہے اور فرما رہے ہیں:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ''

''اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہو ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔''

(بخاری شریف، مسلم شریف، کنزالعمال)

قارئین کرام! اس سے بڑا اعزاز اور اکرام اور کیا ہوسکتا ہے؟ ان محبتوں کے نچھاور کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام فقط نواسۂ رسول ہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کا ایک روشن اور درخشاں باب بھی ہیں۔ اہل بیتِ اطہار کی اس قدر فضیلت اور قدر و منزلت کی وجہ یہی ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی ہر دو لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے

بڑھ کر قریب ہوئے اہلِ بیت اطہار نے اپنے اپنے ادوار میں اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کیا کہ اگر حضور اُس دور میں حیات ہوتے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرزِ عمل بھی یہی ہوتا۔

گویا اہلِ بیت اطہار وُہ پیمانے ہیں جن کے ذریعے ہر دور میں اُسوۂ رسول کو جانچا جاسکتا ہے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں تو پھر ان احادیثِ مبارکہ کی سمجھ آتی ہے

"علی منی وانا منہ"

"الحسن منی وانا من الحسن"

"حسین منی وانا من الحسین"

یا پھر ارشاد فرمایا:

"فاطمۃ بضعۃ منی۔"

جُز ہمیشہ کل سے ہوتا ہے لیکن کُل جُز میں سے کیسے ہوگیا اس کی وجہ فقط یہی ہے کہ آلِ رسول کے یہ مقدس افراد حضور کی سیرت کا ایک ایک باب ہیں ان کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت مبارکہ کی تکمیل ہوئی۔

قرآن مجید فرقانِ حمید میں ہے:

"لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ"

بے شک تمہارے لئے حضور کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

(سورۃ الاحزاب آیت ۲۱)

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ مولا تو سچا تیرا کلام بھی سچا میں تیری راہ میں شہید ہونا چاہتا ہوں لیکن تو نے تو اپنے محبوب کو شہادت ظاہری سے بچا لیا بتا میں کس طرح سے تیرے محبوب کی سیرت پر عمل پیرا ہو سکتا ہوں تو اس کا جواب خالقِ ارض وسما نے بزبانِ مُصطفیٰ یوں دیا ہے۔

"علی منی وانا منہ"

"الحسن منی وانا من الحسن"

"حسین منی وانا من الحسین"

فرمایا: تم جس دور میں بھی زندہ ہو تمہیں ان تینوں شہادتوں سے یہ ادراک ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے ضمن میں سیرت کیا ہے اسی طرح اگر کوئی خاتون خالق سے سوال کرے کہ میں کس طرح سے اور کیونکر تیرے محبوب کی سیرت پر عمل پیرا ہو سکتی ہوں تو اس کا جواب بھی اللہ رب العزت نے بزبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دیا ہے:

"فاطمۃ بضعۃ منی۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان فرامین کی یہی غرض وغایت ہے۔ یہ فقط ظاہری محبت کی بنیاد پر کیے گئے ارشادات نہیں ہیں بلکہ مقصد اس اُمت کی راہنمائی تھا کہ وہ ہر دور میں آلِ رسول سے اکتسابِ فیض کر کے اپنے لئے بخشش کا سامان کر سکیں جو بینا اور ہوشمند تھے وُہ اس بات کو سمجھ گئے مگر بدبخت و نادان لوگ حکومت اور دولت کی محبت میں ان فرامین مقدسہ کو فراموش کر بیٹھے اور یوں

دنیا و آخرت میں ذلیل و رسواء ہو گئے۔ یہی پنجتن پاک کا Concept ہے وگرنہ نواسے اور بھی تھے اور بیٹیاں اور بھی تھیں۔ لیکن ان چاروں پر اس قدر بخشش وعنایات مصطفوی کی وجہ یہ ہے کہ سیرت و کردار میں ان سے بڑھ کر کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب نہیں یہی جانشین محمد ہیں یہی وارثینِ محمد ہیں انہی کی اولاد ابدالآباد تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی خلافت کی حقدار ہے اور یہی تو مقصودِ کائنات ہیں۔

بیدؔم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنساء ، حُسین و حسن ، مصطفیٰ ، علی

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رایت ابابکر وحمل الحسن وهو يقول بابي شبيه بالنبي صلى الله عليه وآله وسلم ليس شبيه بعلي وعلي يضحك۔

(صحیح بخاری شریف)

میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا جب آپ نے امام حسن علیہ السلام کو اُٹھایا ہوا تھا اور یہ فرمارہے تھے۔

''میرا باپ قربان ہو (اے حسن تم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہو حضرت علی کے مشابہ نہیں اور حضرت علی علیہ السلام ہنس رہے تھے۔''

قارئین کرام! حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وارفتگی محبت پوری اُمت کیلئے مشعل راہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقیدۂ صدیق اکبر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

قال ابو بکر اُرقبوا محمدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی اھل بیتہٖ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتسلیم کی رضاجوئی آپ کے اہل بیت میں پوشیدہ سمجھو۔

(صحیح بخاری، کنز العمال)

صواعق محرقہ اور الشرف المو بد میں ہے:

"کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یصلیبنا فیجی الحسن وھو ساجد وھو اذ ذاك صغیر فیجلس علی ظھرہ مرۃ وعلیٰ رقبتہ فیعرفغہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رفعاً رفیقاً فلما فرغ من الصلوٰۃ قالو یارسول اللہ انك تصنع بھذا الصبی شیئاً لا تصنعہ باحد فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

ان ھٰذا ریحانتی وان ھذا ابنی سید وحسبی ان یصلح اللہ تعالیٰ بہ بین فتین من المسلمین

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں نماز پڑھا رہے ہوتے اور سیدنا امام حسن علیہ السلام کی عمر مبارک

اُس وقت چھوٹی تھی۔ آپ آ کر سجدہ کی حالت میں کبھی حضور کی پُشت انور پر کبھی گردن مبارک پر بیٹھ جاتے۔ نبی مکرم، روف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آہستگی سے آپ کو ہٹاتے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ اس بچے کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے ہیں کسی اور کے ساتھ نہیں رکھتے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''یہ میری خوشبو ہے، یہ میرا بیٹا سردار ہے اور میرے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائے گا۔''

میرا یہاں پر یہ موضوع نہیں ہے وگرنہ تفصیل کے ساتھ یہ ضرور عرض کرتا کہ آج کے دور کے خوارج جس واحد دلیل کی بنیاد پر اپنے محبین کی برآت بیان کرنے کی سعی ناتمام کرتے ہیں وہ دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس علم غیب کی ایک زبردست دلیل ہے۔ جو اللہ رب العزت نے آپ کو اپنی شان کے مطابق عنایت کیا۔ بہرحال آگے بڑھتے ہیں حِبر الامت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

" اقبل النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وقد حمل الحسن علی رقبته فلقیه رجل فقال نعم المرکب رکبت یا غلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ونعم الراکب ھو۔

(جامع ترمذی شریف،صواعق محرقہ)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنی گردن مبارک پر اُٹھائے ہوئے تشریف لائے تو راستے میں ایک آدمی ملا۔ اُس نے کہا: اے نوجوان! تو کیا ہی اچھی سواری پر سوار ہے۔ اس پر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''یہ دیکھو سوار بھی تو کتنا اچھا ہے۔''

امیر المومنین ، امام المتقین ، اشجع الاشجعین حضور سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"الحسن اشبه رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلم مابين الصدر الى الراس والحسين اشبه النبي صلى الله عليه وآلهٖ وسلم ما كان التفل من ذالك۔"

(ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف)

حضرت امام حسن علیہ السلام سر مبارک سے سینہء مبارک تک اور امام حسین علیہ السلام سینہ مبارک سے نیچے تک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مشابہ تھے۔ گویا دونوں شہزادوں کو ملا کر دیکھنے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شبیہہ نظر آتی تھی۔

مسند امام احمد بن حنبل و دیگر کتب میں ہے۔ عمیر بن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا امام حسن علیہ السلام سے مُلاقات کی اور فرمایا اپنا کپڑا اُٹھائیے تاکہ میں بوسہ دوں بالکل اسی طرح کہ جس طرح میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بوسے دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس

پر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا اُٹھایا تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ناف مبارک پر بوسے دیئے۔

یہ عقیدت، یہ محبت اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دل و جان سے عترتِ رسول پر فِدا تھے اور یہ نکتہ بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ بغضِ اہلِ بیت رکھنے والا صحابی تو درکنار مومن بھی نہیں کہلا سکتا۔ چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من احب الحسن والحسین فقد احبنی ومن ابغضهما فقد ابغضنی"

''جس نے حسن وحسین (علیہم السلام اجمعین) سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔''

(سنن ابن ماجہ)

اس موضوع پر مزید احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ کے لیے میری تصنیف ''بے عیب ذات'' یا رسالہ ''لا یقاس بآل محمد'' کا مطالعہ کیجئے۔ حضرت ابوجعفر فرماتے ہیں کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تھے۔ اچانک ان کو شدید پیاس محسوس ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے لیے پانی طلب فرمایا مگر نہ مِلا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلا نے اپنی زبان مبارک ان کو عطا فرمادی تو انہوں نے زبانِ اقدس کو چوسا اور سیر ہوگئے۔
(کنزالعمال)

سیدنا امام حسن علیہ السلام کے سینہ ہائے اقدس میں جو علم و معرفت کا سمندر موجزن تھا وہ انہی عنایات کی وجہ سے ہی تو تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آرام فرما رہے تھے کہ اچانک سیدنا امام حسن علیہ السلام گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوئے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینۂ اقدس پر بیٹھ گئے اور پھر پیشاب کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آیا کہ امام حسن علیہ السلام کو سرورِ دوعالم کے سینہ سے اُتار دوں اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

تعجب ہے انس تم پر اے انس! میرے بیٹے اور میرے دل کے پھل کو چھوڑ دو کیونکہ یقیناً وہ شخص جس نے حسن کو اذیت پہنچائی اُس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی، اُس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔

(مسند امام احمد بن حنبل و کنز العمال)

بچپن میں ایک بار حسنین کریمین کُشتی کر رہے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا امام حسن علیہ السلام سے ارشاد فرمایا ھی حسن! حسن اسے پکڑو۔ اس پر دُختر رسول سیدۂ کائنات بی بی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے عرض کیا ابا جان! حسن بڑا ہے حسین چھوٹا ہے، آپ بڑے کی طرف داری کر رہے ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: بیٹی حسین کو جبرائیل امین علیہ السلام کشتی کے داؤ پیچ سکھا رہے ہیں۔ سبحان اللہ! اس شانِ کرم کے کیا کہنے!

القابات

حضرت سیدنا امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام کے القابات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

سید:

سید کے معنی سردار کے ہیں ۔ امام حسن علیہ السلام کو یہ لقب بارگاہِ رسالت سے تفویض ہوا۔ متعدد احادیث میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امام حسن علیہ السلام کو ''سید'' قرار دیا۔

طیب:

طیب کے معنی پاک کے ہیں آپ کو نیک اور محمودہ خصال اور ظاہری و باطنی پاکیزگی کی بدولت طیب کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

جواد:

آپ سخی نانا کے سخی نواسے تھے آپ کی بے حد سخاوت کی بدولت آپ کو جواد کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے آپ کی سخاوت کے متعدد واقعات کتب سِیر میں منقول ہیں جن کا ذکر مناسب مقام پر آئے گا۔

مجتبیٰ:

مجتبیٰ کے معنی بلندی کے ہیں آپ اپنی سیرت کی اعلیٰ خوبیوں کی بدولت

مجتبیٰ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سبطِ رسول:

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی نسبت وتعلق کی بناء پر آپ کو سبطِ رسول کہا جاتا ہے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ نے متعدد احادیث میں آپ کو بڑی اپنائیت کے ساتھ اپنا بیٹا کہا۔اس لیے آپ علیہ السلام اس لقب سے بھی مشہور ہوئے۔

شبیہہ رسول:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظاہری وباطنی مشابہت رکھنے کی بدولت آپ علیہ السلام کو شبیہہ رسول بھی کہا جاتا ہے۔

تقیٰ:

تقی کے معنی پرہیزگاری ہیں آپ علیہ السلام اپنی پرہیزگاری اور خوفِ خدا کی وجہ سے بے حد مشہور تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کو تقی بھی کہا جاتا ہے۔

زکی:

زکی کے معنی پاک کے ہیں سیدنا امام حسن علیہ السلام اپنی طہارت و عصمت کی بدولت زکی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

صفوۃ اللہ:

آپ علیہ السلام کو یہ خصوصی لقب بارگاہِ رسالت سے عنایت ہوا۔آپ

کی ساری زندگی اسی لقب کی مصداق ومظہر ہے۔

کریم:

سخی وہ ہے جو مانگنے پر دے جبکہ کریم وہ ہے جو مانگنے سے پہلے دے۔ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ سائل کوسوال سے پہلے عطا کیا کرتے تھےاس لیے کریم کے لقب سے متصف ہوئے۔

ولی:

ولی کے معنی دوست کے ہیں یا مددگار کے آپ علیہ السلام نے انتہائی کٹھن حالات میں جمیع اُمت کی مدد کی اس بناء پر آپ کوولی کہا جاتا ہے۔

زاہد:

زاھد زُھد سے ہے جس کے معنی دُنیا سے بے رغبتی کے ہیں۔سیدنا امام حسن علیہ السلام نے جس شان وتمکنت سے حکومت وسلطنت کوٹھوکر ماری اس کی مثال تاریخ انسانی میں ملنا ناممکن ومحال ہے۔ یہ صرف آپ ہی کا خاصہ ہے۔اس شان بے نیاز اور دُنیا سے بے رغبتی کی بدولت خلاقِ عالم نے آپ کوزاہد کے لقب سے دائمی شہرت بخشی۔

مناقب سیدنا امام حسن علیہ السلام

سیدنا امام حسن علیہ السلام کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں ۔ ذیل میں آپ کے چند اوصافِ جمیلہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عبادت وریاضت

سیدنا امام حسن علیہ السلام راکبِ دوشِ نبی ہیں بچپن سے ہی آپ علیہ السلام نے اپنے نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رکوع وسجود کرتے اور عبادات الٰہی میں مستغرق دیکھا۔ اسکے ساتھ ساتھ جس درسگاہ میں آپ نے آنکھ کھولی وہ کوئی عام درسگاہ نہ تھی بلکہ کائنات کی عظیم ترین درسگاہ تھی ۔ آپ علیہ السلام سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی گود میں پروان چڑھے جن کی ایک ایک سانس اور زندگی کا ہر لحظہ یادِ الٰہی میں بسر ہوتا تھا جن کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ دو نوافل کی ادائیگی کیلئے بھی رات چھوٹی پڑ جاتی۔

اور پھر باپ ! اللہ رب العزت نے آپ کو اس قدر عظیم الشان باپ عطاء کیا کہ اُمت میں آپ سے بڑھ کر کوئی افضل نہیں۔ عبادت ہو، سخاوت ہو، علم ہو یا حلم ہو بہادری ہو یا خوفِ خدا کا معاملہ۔۔۔۔ کوئی اُن کا ثانی نہیں ۔ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمیع صحابہ کرام کا مرشد و مولا قرار دیا ہو۔

جو رب کے محبوب بھی ہیں رب کے رسول کے بھی محبوب ہیں۔

جو امیر المومنین ہیں، امام المتقین ہیں، قائد الغر المحجلین ہیں۔

جن کا نام ِ نامی خلاقِ عالم کے صفاتی نام سے ماخوذ ہے۔

آپ کی ریاضت و عبادت کا یہ عالم کہ وقتِ نماز بدن لرزہ براندام ہو جاتا۔ لوگ اس کیفیت کی وجہ پوچھتے تو آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے کہ اُس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے جس کی ادائیگی سے زمین و آسمان نے انکار کر دیا تھا۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اس طرح کے پاکیزہ اور معطر ماحول میں آنکھ کھولی۔ اس لیے عبادت و ریاضت کی خوئے جمیلہ آپ کی گھٹی میں پڑی تھی اور آپ کی طبیعت کا حصہ تھی۔

حاکم نے المستدرک میں عبداللہ بن عبید کی زبانی لکھا ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے پا پیادہ پچیس حج کیے حالانکہ آپ کے ساتھ حشم و خدم اور سواریاں ہوتیں مگر آپ خود پیدل چلتے۔ کسی نے عرض کیا کہ باوجود سواریوں کے آپ پیدل چل رہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اُس کے حضور سوار ہو کر جانے میں حیاء آتی ہے۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام جب طوافِ کعبہ کے لیے گئے تو آپ علیہ السلالم کے جسم مبارک پر کپکپی طاری ہوگئی۔ کسی نے پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ میں جب طواف کرنے لگا تو حرم سے صدا آئی کہ تو دروازے کے باہر کیا کرتا ہے اور اب گھر کے اندر گھس آیا ہے۔

طبقات ابنِ سعد میں آپ علیہ السلام کے معمولات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد مصلیٰ پر بیٹھ جاتے اور طلوعِ آفتاب تک مصلیٰ پر ہی تشریف فرما رہتے طلوعِ آفتاب کے بعد آپ علیہ السلام ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور سائلین سے ملاقات کرتے۔

احیاء العلوم میں سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے معمولاتِ عبادت کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام جب نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کرنے لگتے تو آپ علیہ السلام کے جسمِ مقدس پر لرزہ طاری ہوجاتا اور چہرے کا رنگ بھی متغیر ہوجاتا۔ جب آپ علیہ السلام سے اس بارے میں استفسار کیا جاتا تو آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے کہ ہر شخص پر یہ لازم ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے لگے تو اس کا رنگ زرد پڑ جائے اور اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوجائے۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے جب سیدنا امام حسن علیہ السلام کی عبادت و ریاضت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام اپنے زمانے کے سب سے بڑے عابد اور زاہد تھے۔ آپ علیہ السلام کسی بھی وقت یادِ الٰہی سے غافل نہ رہتے اور بوقتِ عبادت آپ کے جسمِ انور پر کپکپی طاری ہوتی۔

آپ علیہ السلام قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی تلاوت بڑے ذوق وشوق سے فرماتے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یا ایھا الذین اٰمنوا آتا تو آپ

فوراً لبیک کہتے اور جہاں کہیں آیاتِ عذاب پر سے گزررتے تو بے اختیار آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔

یہ آپ علیہ السلام کی عبادت وریاضت کی ایک ہلکی سی جھلک ہے ظاہر ہے کہ آپ کی عبادات کی تمام تر جہتیں اور کیفیات احاطہءتحریر میں لانا میرے لئے ممکن نہیں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں اس دُعا کے ساتھ کہ اللہ رب العزت سیدنا امام حسن علیہ السلام کے صدقۂ جمیلہ سے ہمیں بھی ذوق وشوق اورخشوع وخضوع کے ساتھ اپنی عبادت کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

بحق محمد وآلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فراست

سیدنا امام حسن علیہ السلام کو جو فراست نصیب ہوئی اُس میں مصطفوی فراست اور فراستِ مرتضیٰ کی جھلک بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپ علیہ السلام کی فراست کے متعدد واقعات کُتبِ سیر میں منقول ہیں۔ حصولِ برکت کے لیے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نُورالابصار و دیگر کتب میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا امام حسن علیہ السلام غسل فرما کر باہر تشریف لائے آپ علیہ السلام نے ایک خوبصورت چادر زیب تن کی ہوئی تھی۔ آپ کا چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمک دمک رہا تھا اس اثناء میں ایک غریب یہودی جس کا لباس پھٹا پُرانا، ہونٹ خشک تھے ہاتھوں میں پانی کا مشکیزہ اُٹھائے سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اُس یہودی نے آپ سے استفسار کیا کہ آپ کے جدِ امجد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''الدنیا سجن المومن'' یعنی دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔ وہ یہوی کہنے لگا کہ آپ مسلمان ہیں اور میں کافر ہوں لیکن کیا وجہ ہے کہ میں دُنیا میں آپ کے لیے جنت دیکھ رہا ہوں اور آپ کی زندگی عیش ونعمت میں گزر رہی ہے جبکہ اپنے لئے اسے قید خانہ دیکھ رہا ہوں جس کی تکلیف نے مجھے ہلاک کر دیا ہے اور اس کی غربت واحتیاجی نے مجھے رنج والم میں مبتلاء کر رکھا ہے اس پر امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے یہودی! اگر تو وہ تمام تر

نعمتیں جو اللہ رب العزت نے میرے لیے جنت میں تیار کر رکھی ہیں جان لے تو تو واقعی یہ یقین کرے گا کہ میں ان نعمتوں کی نسبت اب قید خانے میں ہوں اور اگر تو وہ عذاب دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے آخرت میں تیار کر رکھا ہے تو اس وقت تجھے اپنا آپ عیش و آرام میں محسوس ہو گا۔

ایک شخص کو گرفتار کر کے سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ اُس کی گرفتاری اس حال میں کی گئی کہ اُس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی یہ کھڑا تھا اور سامنے لاش خون میں لت پت تڑپ رہی تھی۔ اس شخص نے امیر المومنین کے سامنے اقبال جرم کر لیا جبکہ آپ علیہ السلام کے حضور ایک اور شخص بھی کھڑا تھا جس نے اس قتل کا اقبالِ جرم کر رکھا تھا۔ حضور سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے ملزمِ اول سے استفسار کیا کہ تو نے اقبالِ جرم کیوں کیا؟

وہ گویا ہوا کہ میری گرفتاری ایسی حالت میں رو بہ عمل ہوئی کہ انکار مجھے بچا نہیں سکتا تھا۔ اُس نے تفصیل سے عرض کیا کہ میں ایک قصاب ہوں میں نے جائے وقوعہ کے قریب ایک بکرا ذبح کیا اسی اثناء میں مجھے رفع حاجت محسوس ہوئی۔ فراغت کے بعد جب میں وہاں پہنچا تو میں نے ایک لاش کو خون میں لت پت دیکھا۔ قریب کھڑے لوگوں نے مجھے قاتل سمجھ کر پکڑ لیا مجھے اس امر کا یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اس حالت میں جبکہ خون آلود چھری میرے ہاتھ میں ہے کبھی بھی میری بے گناہی کا اعتبار نہیں کریں گے اس لئے میں نے اقبالِ جرم کر لیا۔

پھر آپ علیہ السلام نے دوسرے اقبالی مجرم سے استفسار کیا تو اُس نے

عرض کیا: میں ایک نادار اعرابی ہوں۔ مقتول کو میں نے مال کے لالچ میں قتل کیا۔ قتل کے بعد مجھے کسی کی آہٹ محسوس ہوئی تو میں ویرانے میں چھپ گیا۔ اتنے میں لوگوں نے اس قصاب کو پکڑ لیا لیکن میرے ضمیر نے مجھے اقبالِ جُرم کرنے پر آمادہ کیا کہ میری وجہ سے یہ بے گناہ مارا جائے گا۔ حضور مولا علی علیہ السلام نے اپنے فرزندِ ارجمند سیدنا امام حسن علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کی اس مقدمہ میں کیا رائے ہے؟

اس پر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: امیر المومنین علیہ السلام اس قاتل نے اگر ایک شخص کو ہلاک کیا ہے تو ایک کی جان بھی بچائی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا

جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اُس نے سب لوگوں کی جان بچائی۔

(سورۃ المائدہ آیت ۳۲)

امیر المومنین علیہ السلام کو سیدنا امام حسن علیہ السلام کا مشورہ پسند آیا آپ نے اُس دوسرے اصل مجرم کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے ادا کرنے کا حکم صادر کیا۔

(الطریق الحکمیہ از حافظ ابن قیم)

کشف المحجوب میں سند الواصلین، سرورِ پاک و ہند، امام طریقت حضور

سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ جب فرقۂ قدریہ کو عروج حاصل ہوا اور معتزلہ کا مذہب پھیلا تو سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت اقدس میں بدیں مضمون لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ السلام علیکم یا ابنِ رسول اللہ و قرۃ عینی ورحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ اما بعد فانکم معاشر بنی ھاشم کالفلک الجاریۃ فی بحر بحی و مصابیح الدجیٰ واعلام الھدیٰ و الائمۃ القادۃ الذین من تبعھم نجی کسفینھۃ نور المشحونۃ التی بؤل ایھا المومنون وینجو فیھا المتمسکون فما قولك یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حیرتنا فی القدر واختلافت فی الالستطاعۃ لتعلمنا بماتاکد علیہ رایك فانکم ذریتہ بعضھا من بعض بعلم اللہ علمیت وھو الشاھد علیکم وانتم شھدا واللہ علی الناس ۔ والسلام

اللہ کے نام سے جو رحمٰن ومہربان ہے۔ آپ پر خُدا کا سلام ہو اور اس کی رحمت و برکت ہو۔

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزند اور اُن کی چشمان مبارک

کی راحت آپ گروہِ بنی ہاشم میں اُس کشتی کی مانند ہیں جو گہرے و اندھیرے سمندر میں چل رہی ہو۔ آپ ہدایت کے روشن چراغ اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں اور آپ ان ائمہ دین کے سرخیل و قائد ہیں کہ جس نے ان کی پیروی کی وہ اس طرح نجات پائے گا جس طرح کشتیٔ نوح علیہ السلام میں سوار ہونے والے مسلمانوں نے نجات پائی۔ اے فرزندِ رسول! آپ کا کیا ارشاد ہے جو قدر و استطاعت (جبر و قدر) کے مسئلہ میں ہمیں پریشانی لاحق ہے۔ آپ ہماری راہنمائی فرماتے ہوئے بتائیں تا کہ اس مسئلہ میں ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ کی روش کیا ہے؟ کیونکہ آپ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو خصوصی علم سے نوازا ہے وہ آپ سب کا محافظ ہے اور آپ تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظ و نگہبان ہیں۔ والسلام

حضور سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اس مضمون کا جواب مرحمت فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ امابعد فقد انتھی الیٰ کتابك عند حیرتك وحیرہ من من زعمت من امتنا والذی علیہ رائی ان من لم یومن بالقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ فقد کفر ومن حمل المعاصی علی اللہ فقد فجر ان اللہ لایطاع باکراہ ولا یعصی بغلبۃ ولا یھمل العباد فی ملکہ لکنہ المالك لما یملکھم

والقادر علی ما علیه قدرهم فان ایتم وابالطاعة لم یکن لهم اختیار ولالهم عنها شبعا وان اتوا بالمعصیة وشاء ان یمن علیهم فیحول بینهم وبینها فعل وان لم یفعل فلیس هو عملهم علیها اجبار اولا الزمهم اکراها ایاها باحتجاجا علیهم ان عرفهم ومکنهم وجعل لهم السبیل خذو اما دعاهم الیه واترکوا مانهم عنه ولله الحجه البالغه۔
والسلام

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ مکتوب آپ کا مجھے موصول ہوا، جس میں آپ نے اپنی اور اُمت کے دوسرے لوگوں کی پریشانی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مسئلہ میں میری جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص نیک و بد اور تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے اور جو اپنے گناہوں کا ذمہ دار خُدا کو ٹھہراتا ہے وہ بے ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شُتر بے مہار نہیں چھوڑا ہے۔ نہ وہ جبراً اطاعت کراتا ہے اور نہ جبراً گناہ۔ لیکن بندوں کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر بندوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا جاتا تو ان کے لئے کوئی اختیار نہ ہوتا اور انہیں اطاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہتا اور اگر بندے اس کی معصیت کریں اور خُدا کی مشیت ان پر احسان کرنا چاہے تو ان کے اور ان کے گناہ کے درمیان کوئی فعل حائل کر دیتا ہے۔ اب اگر وہ ارتکابِ معاصی نہ کر سکیں تو یہ بات

نہیں کہ خُدا نے اُنہیں مجبور کر دیا تھا اور نہ جبر سے وہ فعل ان پر لازم کر دیا تھا۔ یہ ان پر دلیل و حجت کے طور پر ہے۔ اگر انہیں اس کی معرفت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راہِ ہدایت بنا دی ہے۔ لہٰذا جس کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے کرو اور جس سے بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچو اور اللہ ہی کے لئے حجتِ بالغہ ہے۔ والسلام

اِس خط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام علم حقائق و اُصول میں کیسی مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کمال علم و فضل کے باوجود سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے علم و فضل کے مقابلے میں دسویں درجے پر تھے۔

(کشف المحجوب از سید علی بن عثمان ہجویریؒ)

کشف المحجوب اور تاریخ الخلفاء میں ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ میں فقر کو دولت پر اور بیماری کو تندرستی پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس پر امام عالی مقام سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے۔ میرا یہ کہنا ہے کہ جس نے خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا اور اپنے تمام کام کاج اللہ کے سپرد کر دیئے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اُس کی کوئی تمنا و آرزو نہ رہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اختیارات عطا فرما دیتا ہے اور اس صورت میں بھی وہ شخص قضا و قدر کے آگے سرنگوں رہتا ہے۔

سخاوت

سیدنا امام حسن علیہ السلام چونکہ عظیم ترین سخی گھرانے میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے اس لئے آپ علیہ السلام سخاوت میں بے بدل تھے ۔ بسا اوقات آپ ایک ایک آدمی کو ایک ایک لاکھ درہم تک عنایت فرما دیتے۔

تاریخ الخلفاء میں علی بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنا پورا مال راہِ الٰہی میں وقف کر دیا اور تین مرتبہ اپنی ملکیت کی ہر چیز آدھی فی سبیل اللہ دے دی یہاں تک کہ ایک ایک جوتا اور ایک ایک موزہ تک راہِ الٰہی میں نچھاور کر دیا۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرزندِ رسول نے دو بار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غزوۂ تبوک کے موقع پر کی جانے والی سخاوت کی مثال پیش کی اور تین بار فاروقی سُنت ادا کی ۔ اس سے آلِ رسول کے مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ بلاشبہ یہ قول مبارک حق ہے۔

لا یقاس بآل محمد من ھذہ الامت احدا ۔

اس اُمت کے کسی بھی فرد کو آلِ محمد سے مساوات نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی آپ علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسی وقت خادم کو فرمایا جو کچھ پاس ہے اس کو دے دیا جائے۔ دس ہزار درھم موجود تھے آپ نے سارے کے سارے اُس کے حوالے کر دیئے ۔ وہ عربی غلام سکتے میں آ گیا۔ دست بستہ عرض گذار ہوا اے فرزندِ رسول! میں نے

تو ابھی سوال ہی نہیں کیا تھا۔ آپ نے تو مانگنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس پر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اے اعرابی! ہمارے نفوس سائل کو سوال سے پہلے عطاء کر دینے کے عادی ہیں۔ تاکہ سائل کی عزتِ نفس پر حرف نہ آئے۔

(انوارِنبوت)

ایک مزدور حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اُسے ہزار اشرفیاں عنایت کیں۔ مزدور اُن اشرفیوں کا بوجھ نہ اُٹھا سکا تو اُس نے اشرفیاں اُٹھانے کے لیے مزدور کیا۔ آپ علیہ السلام نے اس مزدور کی مزدوری بھی خود عنایت کی۔

(انوارنبوت)

نُورالابصار میں ہے: آپ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ''ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں جانے دیتے اگرچہ آپ کے پاس کچھ ہو یا نہ ہو۔'' اس پر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں خود سائل ہوں اور اگر کوئی سائل دامن پھیلائے تو اسے خالی ہاتھ لوٹاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ عہد کیا کہ وہ مجھ پر اپنی رحمتوں کے دریا بہائے گا اور میں نے اُس سے وعدہ کیا کہ میں اُس کے بندوں پر نعمتوں کے دریا بہاؤں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں یہ عادت ختم کر دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے اپنی عادت روک لے گا۔

(نورالابصار)

ایک سائل نے سیدنا امام حسن علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں سوال کیا۔ اتفاق سے آپ علیہ السلام کے پاس اُس وقت اپنی بھوک مٹانے کے لیے بھی کچھ نہ تھا مگر آپ علیہ السلام کسی سائل کو خالی ہاتھ لوٹانا بھی پسند نہ کرتے تھے چنانچہ آپ نے سائل سے فرمایا: کیا میں ایک چیز کی طرف تمہاری راہنمائی نہ کروں جس سے تجھے مال حاصل ہو؟ سائل نے عرض کیا: حضور! وہ کیا چیز ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا: تم خلیفہ کے پاس جاؤ، اس کی بیٹی فوت ہوچکی ہے اور وہ بہت غمگین ہے جو بھی اُس کی شہزادی کی موت پر اُس سے تعزیت کرے وہ اُسے بہت نوازتا ہے تو بھی اُس کے پاس تعزیت کر اس سے تجھے مال حاصل ہوگا۔

سائل نے عرض کیا: مجھے وہ الفاظ سکھا دیں جن سے میں وہاں جا کر تعزیت کروں۔ اس پر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

قل له الحمد لله الذى سترها بجلوسك على قبرها ولا هتكها بجلوسها على قبرك۔

اُسے کہنا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اُس کی قبر پر آپ کے بیٹھنے سے اس پر پردہ ڈالا اور آپ کی قبر پر اس کے بیٹھنے سے اُسے بے پردہ نہ کیا (یعنی خدائے لم یزل کا تم پہ کرم ہے کہ وہ تم سے پہلے فوت ہوگئی ورنہ اُسے تمہاری قبر پر بیٹھنا پڑتا جو کسی طور پر بھی تجھے مناسب نہ لگتا۔)

وہ سائل خلیفہ کے پاس گیا اور اُنہیں الفاظ کے ساتھ اُس سے تعزیت

کی ۔خلیفہ نے یہ الفاظ سُنے تو اُس کا سارا غم جاتا رہا۔خلیفہ نے سائل کو انعام و اکرام دینے کا حکم صادر کیا اور پھر اُس سے کہا کہ تجھے اللہ کی قسم ہے یہ بتاؤ یہ کلام کس کا ہے؟ سائل نے کہا: یہ کلام فلاں بزرگ (سیدنا امام حسن علیہ السلام) کا ہے۔خلیفہ نے کہا:

"صدقت فانه معدن الكلام الفصيح"

تو سچ کہتا ہے کیونکہ وہ (امام حسن علیہ السلام) فصیح کلام کی کان ہیں۔
اور یہ کہہ کر اُس نے سائل کو مزید انعام سے نوازنے کا حکم صادر کیا۔

(نورالابصار)

ایک شخص آپ علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوا اور اپنی بدحالی کا شکوہ کیا۔آپ علیہ السلام نے اپنے وکیل کو بُلایا اور اُس سے اپنا سالانہ خرچ اور آمدنی کا پورا حساب کروایا۔ اس کے بعد فرمایا جو سالانہ خرچ سے بچتا ہے وہ میرے پاس لے آؤ۔وکیل نے پچاس ہزار درہم پیشِ خدمت کیے۔آپ علیہ السلام نے پچاس ہزار دینار (پانچ لاکھ درہم) کے متعلق استفسار کیا کہ وہ تمہارے پاس تھے وہ کہاں ہیں؟

وکیل نے عرض کیا: وہ محفوظ ہیں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ بھی لے آؤ۔جب وہ لے کر آیا تو آپ علیہ السلام نے یہ سارا مال اُس شخص کو سونپ دیا اور پھر بھی اُس سے معذرت کی۔

(نورالابصار)

فرزدق شاعر نے کیا خوب سچ کہا تھا:

كلتا يديه غياث تم نفعهما

تستو كفان ولا يعمر وهما العدم

عم البرية بالاحسان فانقشعت

عنها الغيابة ولاملاق والظلم

لايستطيع جواد بعد غايتهم

ولا يدانيهم قوم وان كرم

هم الغيوث اذا مازمة ازمت

ولاسد اسد الشرىٰ والناس محتلم

ان کے دونوں ہاتھ ایسے ہیں جن کا فیض بارش کی مانند عام ہے۔ان کی بخشش ہر وقت جاری ہے حتیٰ کہ تنگدستی میں بھی ختم نہیں ہوتی۔خدا کی تمام مخلوق پر ان کا احسان عام ہے۔جس سے گمراہی، تنگدستی اور ظلم وزیادتی پراگندہ ہو کر رہ گئے ہیں۔کسی سخی کی سخاوت ان کی بخشش کی حد تک نہیں پہنچ سکتی اور کوئی بھی قوم ان کے برابر نہیں پہنچ سکتی اگر چہ شمار میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔یہ حضرات قحط سالی کے زمانہ میں بارش کی مانند سیراب کرتے ہیں یہ شیر ببر ہیں جب کہ لوگ جنگ کی بھٹی میں جل رہے ہیں۔

ایک مرتبہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سیدنا امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ سفر حج کے لیے مکہ معظّمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ان کے ساتھ ان کے چچا

زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ تھوڑا راستہ طے کرنے کے بعد سامانِ سفر اُٹھانے سے یہ دونوں حضرات عاجز آ گئے، بھوک اور پیاس نے ستایا۔ ایک خیمہ پر نظر پڑی تو اُس کی طرف چل دیئے۔ وہاں ایک بوڑھی عورت موجود تھی۔ اُس سے پوچھا تمہارے پاس پینے کو کچھ ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ میرے پاس یہ ایک بکری موجود ہے اسے دوھیئے اور اس کا دودھ نوش فرمایئے۔ چنانچہ ان حضرات نے ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا: کھانے کو کچھ ہے؟

بڑی بی کہنے لگی: یہی ایک بچا کچھا اور گھٹیا مال ہے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ کوئی اسے ذبح کرے۔ اس دوران میں تمہارے لئے لکڑیاں جمع کر کے لاتی ہوں۔ اسے بھونیے اور کھایئے۔

اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد وہاں تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر جب موسم ٹھنڈا ہو گیا تو وہاں سے چل دیئے اور اس عورت سے کہا اے عورت! ہم خاندان قریش کے افراد ہیں۔ مکہ معظّمہ جانا چاہتے ہیں صحیح سلامت واپس آ گئے تو ہمارے پاس ضرور آیئے گا۔ ہم آپ کے ساتھ نیکی کریں گے۔

ان حضراتِ اقدس کے تشریف لے جانے کے بعد اُس عورت کا خاوند آیا اُسے جب اس سارے واقع کی خبر ہوئی۔ تو اُس نے اپنی بیوی کو خوب بُرا بھلا کہا کہ تو نے ایسے افراد کے لئے بکری ذبح کر دی جنہیں ہم جانتے تک نہیں کچھ عرصہ بعد قحط سالی نے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دونوں میاں بیوی گھر سے نکلنے پر مجبور ہو گئے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر

مینگنیاں جمع کرنے لگے۔اسی اثناء میں مدینہ منورہ کی گلی میں ایک ٹوکری اُٹھائے جارہے تھے سیدنا امام حسن علیہ السلام گھر کے دروازے پر ہی تشریف فرما تھے۔ آپ کی نظر اُس بوڑھی عورت پر پڑی تو اُسے پہچان لیا۔اور آواز دے کر فرمانے لگے: اے اللہ تعالیٰ کی بندی! کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: لیکن میں تجھے پہچانتا ہوں۔ میں تیرے انہی مہمانوں میں سے ہوں جو فلاں دن فلاں سال اور فلاں جگہ تیرے ہاں مہمان ٹھہرے تھے۔

وہ کہنے لگی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔آپ نے ارشاد فرمایا۔تو مجھے نہیں پہچانتی لیکن میں تو تمہیں پہچانتا ہوں۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ اس نے صدقہ کی بکریوں میں سے ایک ہزار بکریاں خریدیں۔آپ نے وہ ساری بکریاں ان کو عطاء فرمادیں پھر اُس بوڑھی عورت کو مزید ایک ہزار دینار بھی عطاء کئے اور اس کے بعد اُنہیں اپنے بھائی سیدنا امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے بھی اُس بوڑھی عورت کو پہچان لیا۔ پھر غلام سے پوچھا: میرے بھائی نے انہیں کتنا مال دیا ہے۔ جب اُس نے بتایا تو آپ نے بھی اُن کو اتنا ہی دینے کا حکم دیا جتنا کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے عطاء کیا تھا۔ بعد ازاں اُنہیں اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ ابنِ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب اُن کے پاس وہ پہنچے تو اُنہوں نے بھی اُس بوڑھی

عورت کو پہچان لیا۔ اور فرمایا بخدا اگر تو نے مجھ سے ابتداء کی ہوتی تو میں اپنے دونوں بھائیوں پر سبقت لے جاتا۔ پھر حکم دیا کہ اس عورت کو دو ہزار بھیڑیں اور دو ہزار دینار عنایت کئے جائیں۔

(علموا اولادکم محبتِ اہلِ بیت نبی)

ایک بار سیدنا امام حسن علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک حبشی غلام بیٹھا روٹی تناول کر رہا ہے۔ اور اُس کے ساتھ اُس کا کُتا بھی بیٹھا ہے وہ حبشی نوجوان ایک لقمہ خود کھاتا اور ایک اُس کُتے کو دیتا۔ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اُس سے پوچھا کہ وہ ایسے کیوں کر رہا ہے؟ اس پر اُس نے عرض کی کہ مجھے حیاء آتی ہے کہ میں خود تو کھاؤں اور اسے کھانے کے لئے نہ دوں۔ آپ علیہ السلام کو اُس غلام کا یہ جواب بہت پسند آیا۔ اور آپ نے کہا کہ اسے نیکی کا صلہ ضرور ملنا چاہیے آپ علیہ السلام اس کے آقا کے پاس گئے اُس کی قیمت اداء کی۔ زمین کے جس قطعہ ء ارض پر وہ بیٹھا تھا۔ وہ بھی اُس کے مالک سے خریدا اور اُسے آزاد کر کے اراضی بھی اُس کو تحفہ میں عنایت کر دی۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام کا دسترخوان بے حد وسیع تھا۔ ہر وقت فقراء ومساکین کا ایک ہجوم آپ کے درِ اقدس پر حاضر رہتا۔ آپ علیہ السلام سب کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے۔ جبکہ خود صرف جو کی روٹی تناول فرماتے۔ آپ علیہ السلام کی یہ بھی عادت کریمہ تھی کہ اُس وقت تک کھانا تناول نہ فرماتے جب تک کہ آپ کو یقین نہ ہو جاتا کہ اردگرد کوئی شخص بھوکا نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر ایسا بھی

ہوتا کہ آپ علیہ السلام کھانا تناول فرمانے لگتے تو کوئی بھوکا آ جاتا۔ اس پر آپ علیہ السلام اپنا کھانا اُسے کھلا دیتے اور خود فاقہ سے رہتے۔

ایک بار سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ایک انصاری سے زمین خریدی۔ جس کی مالیت چار لاکھ درہم آپ علیہ السلام نے اداء کی۔ بعدازاں آپ کو علم ہوا کہ وہ انصاری اب ضرورت مند ہے۔ اس پر دریائے سخاوت جوش میں آیا اور سیدنا امام حسن علیہ السلام نے وہ خریدی ہوئی زمین اُس انصاری کو ہدیۃً عنایت کر دی۔

لاریب! یہ شانِ سخاوت آپ علیہ السلام ہی کے گھرانے کو زیبا ہے۔

فداك أمي وابي يا حبيب الله عليه الصلوٰة والسلام

فداك أمي وابي يا آلِ رسول عليه الصلوٰة والسلام

خالقِ کائنات نے جہاں بھر کی سرداریاں ایسے ہی اس گھرانے کے لیے مختص نہیں کیں۔ بلاشُبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایثار و سخاوت کی وہ عظیم الشان مثالیں پیش کیں کہ تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اللهم صلی علیٰ محمد وآلِ محمد كما تحب و ترضیٰ له

قربان جائیں، امیر المومنین، امام المتقین حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ:

"دل کھول کر بخشش کرنے سے سردار ملتی ہے۔"

لوگوں کو حکومتیں اور سلطنتیں ملیں مگر شانِ سخاوت فقط اس گھرانے کو نصیب ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوقات کے دل ہمیشہ ان کی جانب جھکے رہے۔

مخلوقِ خدا ہمیشہ ان کی طرف کھنچی چلی آتی رہی اور یہ سلسلہ اب بھی جاری وساری ہے اور ابدالآباد تک جاری وساری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بلا شک وشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ اقدس کے بعد سب سے زیادہ مخلوقِ خُدا ہمیں آلِ رسول کے آثار ومزارات پر دکھائی دیتی ہے۔

یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ زمانے کے تغیر وتبدل اور حکومتوں کی تبدیلیاں لوگوں کے دلوں کے قبلے ہرگز نہ بدل سکیں۔ لوگ ڈرے بھی سہمے بھی، خاموش بھی رہے۔ مگر اُن کے دل ہمیشہ آلِ رسول کی محبت میں گُندھے رہے۔

شاھانِ مملکت کشور کشائی کرتے رہے اور افراد آلِ محمد دلوں کو مسخر کرتے رہے۔ گویا ایک مالِ دُنیا لوٹتے رہے اور دوسری طرف یہ اُس کی محبت میں لُٹاتے رہے۔ فرق صاف ظاہر ہے۔

بادشاہوں کے بادشاہ تاریخ کے صفحات میں گُم ہوگئے مگر ادھر تاریخ ان کے گرد گھومتی رہی۔ لوگوں کی وفائیں اور محبت کل بھی ان کے نام تھی اور آج بھی اہلِ وفا انہی کا نام جپتے ہیں۔

یہ کل بھی قبلہء اھلِ وفا تھے اور آج بھی اربوں لوگوں کی وفائیں ان کے کوچوں اور گلیوں کا طواف کرتی ہیں۔

اللہ رب العزت اپنی، اپنے پیارے محبوب اور آلِ رسول کی محبت و

مودّت پر ہمیں استقامت، اضافہ اور بروزِ محشر اُٹھنا نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

میرا عشق سلامت رکھیں باھو ایمانوں دیاں دھروئی ہو

اور شیخ سعدی نے کیا خوب ارشاد فرمایا:

خُدایا بحقِ بنی فاطمہ

کہ برقولِ ایماں کُنی خاتمہ

اگر دعوتم رد کُنی در قبول

من و دست و دامانِ آلِ رسول

شجاعت

سیدنا امام حسن علیہ السلام شیرِ خدا حضور سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے فرزند ارجمند تھے۔ خونِ حیدری آپ علیہ السلام کے رگ و پے میں برق بن کر دوڑتا تھا۔ اس لئے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے باہر پہرہ دینے کا معاملہ ہو، جنگِ صفین ہو یا جنگِ نہروان۔۔۔۔ آپ علیہ السلام نے ہر موقع پر بے مثال شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اِک بچہ
جسے دیکھو وہی شیرِ خُدا معلوم ہوتا ہے

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصرِ خلافت کا جب باغیوں نے محاصرہ کیا۔ تو آپ علیہ السلام نے اپنے بابا جان امیر المومنین امام المتقین، اشجع الاشجعین سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازوں پر پہرہ دیا۔

آپ علیہ السلام کے ساتھ آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا امام حسین علیہ السلام اور حضور مولا علی علیہ السلام کے غلام قنبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس پہرے میں شریک ہوتے چالیس دن کے اس محاصرے کے دوران ایک طرف ہزاروں باغی تھے۔ مگر دوسری طرف صرف علی علیہ السلام کے شیر تھے۔ ان شیروں کی

موجودگی میں اُن ہزاروں کو جرأت تک نہ ہوئی کہ وہ سامنے سے آ کر حملہ آور ہوتے یا مکان میں داخل ہوتے۔ محاصرین نے تیراندازی کی تو سیدنا امام حسن علیہ السلام امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام اور آپ کے غلام زخمی ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود باغیوں کو اندر نہ گھسنے دیا۔

یہی وجہ ہے کہ قاتلینِ عثمان کو مکان کے پچھواڑے سے آنا پڑا۔

یہاں پر مگر ایک سوال ہے کہ حضور مولا علی علیہ السلام، آپ کے شہزادگان اور غلام تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور زخمی بھی ہو رہے تھے مگر وہ لوگ جنہوں نے بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون آلود قمیص مبارک کو دکھا دکھا کر اور سیدہ نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں لوگوں کو دکھا دکھا کر نہ صرف لوگوں کے جذبات کو اُبھارا بلکہ اپنی ناپاک خلافت کی راہ بھی ہموار کرنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ اُس وقت کہاں تھے؟ یہ قصاص کا مطالبہ کرنے والے متعصب اور کینہ پرور لوگ جو دورِ جاہلیت کی عصبیتوں سے کبھی بھی باہر نہ آ سکے۔۔۔ یہ اُس وقت کیا کر رہے تھے؟

تاریخ نے ہر دور میں یہ سوال پوری شد و مد کے ساتھ اُٹھایا ہے اور ان کے پاس نہ کل کوئی جواب تھا اور نہ ہی آج ہے۔ یہی سوال جب براہِ راست معاویہ بن سفیان سے کیا گیا تو کیا جواب تھا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ابن عساکر نے ابوطفیل عامر بن واثلہ صحابیٔ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے حوالہ سے لکھا ہے: ''معاویہ بن ابی سفیان نے مجھ سے کہا آیا تم بھی قاتلینِ عثمان میں ہو؟ میں نے کہا: قاتلینِ عثمان میں تو نہیں ہوں، البتہ شہادت کے زمانہ میں موجود تھا مگر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی مدد نہیں کی۔ پوچھا مدد کرنے سے کس نے منع کر دیا تھا۔ میں نے کہا: مہاجرین وانصار میں سے کسی نے بھی اُن کی امداد نہیں کی (سوائے فرزندانِ رسول کے۔ یہ ذکر پہلے ہو چکا ہے۔)

اِس پر معاویہ ابن ابی سفیان نے کہا: تمام مسلمانوں پر واجب تھا کہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کرتے۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو ان کی امداد کرنے سے کس چیز نے روکے رکھا۔ حالانکہ آپ کے ساتھ تو تمام شامی موجود تھے اس پر جواب دیا۔ میں ان کے خون کا مطالبہ کر رہا ہوں یہ بھی ان کی مدد ہے اس پر مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ (صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی اُس نقاب کو تار تار کر دینے کے لیے کافی ہے جو بعض محبین بنو اُمیہ زبردستی اپنے قائد کو پہنانے کی کوشش کرتے ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اُصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

(تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

وقتی طور پر لوگوں کو مشتعل کر کے اپنے چند سالہ اقتدار کی راہ تو ہموار کر لی گئی۔ مگر جب قُدرت نے اصلی چہرے بے نقاب کئے تو پھر شام میں ان کے

خلاف نفرت کا وہ طوفان اُٹھا کہ آج تک دوبارہ کبھی بھی حُب دارانِ معاویہ شام میں اپنی حکومت نہ بنا سکے یہ قیامت تک ایڑیاں رگڑتے رہیں گے مگر شامی مسلمان بشار الاسد جیسوں کو تو برداشت کرتے رہیں گے لیکن ان کی نمائندہ حکومت گوارانہ کریں گے۔

یہ ان سے قدرت کا انتقام ہے کہ وہ ملک جو کبھی ان کا Strong hold تھا۔آج اُس ملک میں کوئی ایک بھی ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والا نہیں ہے۔قدرت نے ان کا نام ونشان تک مٹا ڈالا۔مگر دوسری طرف جن پر یہ سب وشتم کیا کرتے تھے۔آج اور ہمیشہ شام کی فضائیں اُن پر درود وسلام کے نغمے الاپتی رہیں گی۔یہ حقیقت ہے کہ سچ اور پراپیگنڈے میں یہی فرق ہوتا ہے آیئے ہم دوبارہ موضوع کی طرف بڑھتے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے سیدنا امام حسن علیہ السلام کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفہ روانہ فرمایا تاکہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔سیدنا امام حسن علیہ السلام جس وقت کوفہ پہنچے۔ابوموسیٰ اشعری والیٔ کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے۔ اس لئے ہتھیار بے کار کرو اور بالکل گوشہ نشین ہو جاؤ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اسی دوران سیدنا امام حسن علیہ السلام مسجد میں داخل

ہوئے اور ابوموسیٰ اشعری سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ، اس کے بعد آپ علیہ السلام نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المومنین امام المتقین حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی حمایت پر تیار کیا۔ حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ صحابیٔ رسول تھے اور کوفہ کے ایک معزز اور ذی اثر بزرگ تھے۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام کی تائید میں کھڑے ہوئے اور عرض کیا:
صاحبو امیر المومنین علیہ السلام نے خود اپنے صاحب زادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے۔ اس دعوت کو قبول کرو اور علَمِ حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ وفساد کی آگ کو ٹھنڈا کرو۔ سب سے پہلے میں خود چلنے کو تیار ہوں۔

الغرض سیدنا امام حسن علیہ السلام اور حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریروں نے لوگوں کو سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی اعانت پر آمادہ کیا۔ اور ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت وفرماں برداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور اگلے ہی دن صبح کے وقت ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر سیدنا امام حسن علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اور مقام ذی قار میں حضور مولا علی علیہ السلام کی فوج سے مِل گئی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس جماعت کی شمولیت کے بعد از سرنو اپنی فوج کو ترتیب دی اور پھر بصرے کا رُخ کیا۔

(سیرت خلفائے راشدین)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں طبرستان کی

فوج کشی میں بھی سیدنا امام حسن علیہ السلام مجاہدانہ شریک ہوئے۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنی نرم خُو اور صلح جویانہ طبیعت کے باوجود سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ہمیشہ جوان مردی کے ساتھ میدانِ کارزار کو لبیک کہا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ بھی اُس جدِ امجد کی اولاد ہیں۔ جو تنِ تنہا وقت کی Super power سے ٹکرا گئے تھے۔ چنانچہ رئیس الحنفیہ علی قاری سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب اصحابِ فیل نے جن کا سربراہ ابرھہ تھا۔ مکۃ المکرمہ پر چڑھائی کی تو جمیع قریش حدودِ حرم سے نکل گئے۔ لیکن سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"واللہ لا اخرج من حرم اللہ ابغی العزۃ فی غیرہ"

اللہ کی قسم میں حرم سے ہرگز نہیں نکلوں گا۔ کیا میں اس کے علاوہ کسی اور کے پاس عزت تلاش کروں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے بدلے میں کسی اور چیز کا خواہش مند نہیں ہوں۔ بنواُمیہ اُس دور سے سرداری کے خواہش مند تھے مگر سرداری تو ازل سے ہی بہادروں اور سخیوں کے لئے مخصوص ہے۔ سیدنا امام حسن علیہ السلام کے جدِ اعلیٰ اسی بلند ہمتی اور عمدہ مکارمِ اخلاق کی وجہ سے تمام عرب کے سردار بن گئے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب معاویہ ابن ابی سفیان نے قریش میں سے دو افراد صُلح کے لئے سیدنا امام حسن علیہ السلام کے پاس بھیجے تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ہم حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے ہیں۔ ہم جہاں قدم رکھتے ہیں وہاں سے

بلا وجہ اُٹھاتے نہیں اور نہ ہی دُشمن سے ڈرتے ہیں ۔ہم حضرت عبدالمطلب کی اولا دہیں۔وہ بھی کسی سے نہ ڈرتے تھے اور نہ ہی خوف رکھتے تھے۔

(البدائیہ والنہایہ)

ینمی الی ذروۃ المزالتی قصرت

عن نیلھا عرب الاسلام والعجم

یہ عزت ومنزلت کی ایسی بلندی پر فائز ہیں کہ عرب وعجم کا کوئی مسلمان ان سے ہمسری نہیں کرسکتا۔

ای القبائل لیست فی رقابھم

اما لابائہ ھٰذا اولہ نعم

وہ کونسا قبیلہ ہے جن کی گردنوں پر ان کا اور ان کے آباؤ اجداد کے احسانات کا بوجھ نہیں ہے۔

شیریں کلامی

طبقات ابن سعد میں ہے عمیر ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام بڑے شیریں کلام تھے۔آپ علیہ السلام جب گفتگو کرتے تو جی چاہتا کہ سلسلہء کلام جاری رکھیں اور کبھی خاموش نہ ہوں۔ میں نے آپ کی زبان سے کبھی کوئی فحش بات نہیں سُنی ۔ایک مرتبہ جب کہ آپ علیہ السلام اور عمرو بن عثمان کے درمیان ایک اراضی کی بابت اس بات پر کچھ رنجش ہوگئی تھی کہ آپ علیہ السلام نے اُس سے کوئی تصفیہ کی بات کہی جسے اُس نے منظور نہ کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''تمہاری ناک خاک آلود ہو۔'' اور یہی ایک سخت جملہ میں نے اُن کی زبان سے سُنا۔

نیز عمیر بن اسحاق کی زبانی لکھا ہے کہ مروان اپنی گورنری کے زمانہ میں ہر جمعہ کو برسرمنبر سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شان میں گُستاخی کیا کرتا تھا۔ سیدنا امام حسن علیہ السلام اس کی گالیاں خاموش بیٹھے سُنا کرتے تھے۔ایک دن مروان لعین نے اپنے ایک نمائندے کے ہاتھ سیدنا امام حسن علیہ السلام کے والدین کریمین کو (معاذ اللہ) گالیاں کہلا بھیجیں۔

یہ سب وشتم سُن کر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے جواب دیا: جاؤ اُسے کہہ دینا کہ تمہاری یہ باتیں بخدا مجھے یاد رہیں گی اور تم کو یقین تھا کہ گالیوں کے بدلے میں مَیں بھی تم کو گالیاں دوں گا لیکن میں صبر کرتا ہوں اور قیامت آنے والی

ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اللہ جزائے خیر دے گا اور اگر تم جھوٹے ہو تو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتقام اور گرفت نہایت ہی سخت ہے۔

رزیق بن سواء کی زبانی لکھا ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام اور مروان لعین میں گفتگو ہو رہی تھی کہ اس نے دوبدو ہی گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ آپ علیہ السلام خاموش بیٹھے سُنتے رہے۔ اسی دوران اس نے سیدھے ہاتھ سے ناک کی ریزش صاف کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: افسوس تجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ سیدھے ہاتھ سے منہ دھویا جاتا ہے اور اُلٹے ہاتھ سے بول و براز کے مقام۔ پھر سیدھے ہاتھ سے ریزش وغیرہ صاف کرنے کی بُرائیاں بیان فرمائیں اور اسے ناپسند کہا۔ یہ سُن کر مروان نادم و شرمندہ ہو گیا۔ (میں اس موقع پر صرف اتنا عرض کروں گا کہ لعنت ہو مروان پر اور لعنت ہو اُس پر جس نے مروان جیسے لعین کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔) اشعث بن سواء کے حوالہ سے طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کے پاس ایک آدمی آ کر بیٹھ گیا تو آپ علیہ السلام نے اُس سے فرمایا تم ہمارے پاس اُس وقت آ کر بیٹھے ہو جبکہ مجلس برخاست ہو چکی ہے اب ہمیں اجازت دو کہ ہم بھی روانہ ہو جائیں یہ تمام باتیں تاریخ الخلفاء جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، میں بھی موجود ہیں۔ فرزدق نے کیا خوب لکھا ہے:

یغضی حیاء ویغضی مھابتہ

فما یکلم الاحین بتبسم

یہ اپنی آنکھیں حیاء سے نیچی رکھتے ہیں اور لوگ ہیبت سے ان کی طرف آنکھیں اُونچی نہیں کر سکتے ۔اور جب بات کریں تو گویا منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔

اذ رائته قریش قال قائلها
الیٰ مکارم هٰذا ینتهی الکرم

جب کوئی قریش انہیں دیکھتا ہے تو وہ بول اُٹھتا ہے کہ ان پر تمام خوبیاں تمام ہو چکی ہیں۔

سهل الخلیقة لا یخفیی برادره
یزینه اثنان حسن الخلق والشیم

یہ نرم خُو ہیں خفگی و غصہ کا ان سے کوئی اندیشہ نہیں یہ اپنی دو خوبیوں سے یعنی حُسنِ اخلاق اور پاکیزہ خصلت سے آراستہ ہیں۔

مشقته عن رسول الله بنعته
طابت عناصره والخیم والشیم

ان کے اوصافِ حمیدہ اللہ کے رسول سے ماخوذ ہیں ان کے عناصر اور ان کی خوبو پاکیزہ ہے۔

تحمل و برداشت

سیدنا امام حسن علیہ السلام کے تحمل و برداشت کے بہت سے واقعات کُتبِ سیر میں منقول ہیں۔کشف المحجوب میں حضور سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آپ علیہ السلام کے تحمل و بردباری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایک روز سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کوفہ کے دارالخلافہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ صحرا سے ایک دیہاتی آیا اور اس نے آتے ہی آپ علیہ السلام کو اور آپ علیہ السلام کے والدین کو گالیاں دینا شروع کیں۔

آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کیا تو بھوکا پیاسا ہے یا تجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہے؟ اس نے پھر کہا آپ کے والدین ایسے ہیں اور آپ ایسے ہیں سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اپنے غُلام سے فرمایا: طشت میں چاندی بھر کر لاؤ اور اسے دے دو، پھر فرمایا: اے دیہاتی ہمیں معذور سمجھنا گھر میں اس کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ ورنہ اس کے دینے سے انکار نہ ہوتا۔ جب دیہاتی نے آپ علیہ السلام کا یہ صبر و تحمل دیکھا تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس واقعہ کو درج کرنے کے بعد حضور سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ ''حقیقت یہ ہے کہ تمام مشائخ واولیاء کی یہ صفت (تحمل و بُردباری) آپ علیہ السلام کے اتباع میں ہے۔کیونکہ ان کے نزدیک بھی

لوگوں کا بُرا بھلا کہنا برابر ہے اور ان کے ظُلم وستم اور سب وشتم سے وہ کوئی اثر نہیں لیتے۔

اِمام بوسن اپنی کتاب الفضل الموبد میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ضبطِ نفس میں سیدنا امام حسن علیہ السلام اپنی مثال آپ تھے۔ محاسبہ نفس کا یہ عالم تھا کہ اپنی ایک ایک اداء پر اس قدر گرفت فرماتے کہ خود سے مخاطب ہو کر کہتے: اے حسن! آج تُو نے اپنے اور اپنے مالک کے لئے کیا کیا ہے؟ جب رات ہوتی تو مُصلے پر کھڑے ہو جاتے اور سجدوں میں اِس قدر روتے کہ جائے نماز آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ لوگوں کے طعن وتشنیع کی کوئی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ حاسدین پیٹھ پیچھے آپ کی بُرائی کرتے تو آپ ان کی ہدایت کے لئے دُعا فرمایا کرتے۔ جب کسی خادم سے ایسی حرکت سرزد ہوتی۔ جس سے غصہ آتا تو آپ علیہ السلام اُسی وقت اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت فرماتے:

''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ''

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام کا ایک غلام آپ کی خدمتِ اقدس میں گرم گرم سالن لا رہا تھا کہ اس کے ہاتھ سے وہ سالن آپ علیہ السلام پر گر پڑا تو آپ کو غصہ آیا۔

آپ علیہ السلام نے اُس کی طرف دیکھا تو اُس غلام نے فوراً کہا: ''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ '' (اور غصہ کو پینے والے) آپ نے فرمایا: میں نے غصے کو پی لیا۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: ''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'' (اور

لوگوں کو معاف فرمانے والے) آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا۔

اس نے پھر کہا: ''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' (اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کے جنازہ پر مروان نے گریہ زاری کی تو امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اب لاشہ پر رو رہے ہو؟ حالانکہ تم نے زندگی میں ان کے ساتھ ہر قسم کی بُرائی کی۔ جس کے جواب میں پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مروان نے کہا: میں یہ سب کچھ اس شخصیت کے ساتھ کیا کرتا تھا جو اس پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم و بُردبار تھے۔

معاویہ بن ابی سفیان سے مصالحت کے بعد بعض لوگ آپ پر طعن و تشنیع کے نشتر چلاتے، مگر آپ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان اعتراضات کا جواب دیتے۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء ہی میں ہے کہ بعض لوگ آپ علیہ السلام کو ''عار الناس'' کہہ کر مخاطب کرتے تو آپ علیہ السلام جواب دیتے: عار (شرم) اچھی ہے دوزخ سے۔ ایک نے کہا: السلام علیکم! اے مذل المومنین! آپ علیہ السلام نے جواب دیا: میں مسلمانوں کو ذلت و رُسوائی دینے والا نہیں ہوں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میں نے تم مسلمانوں کو صرف مملکت کی خاطر جنگ کے شعلوں میں جھونکنا پسند نہیں کیا۔

(تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری اپنی کتاب ''حضرت علی تاریخ و سیاست کی روشنی میں'' میں لکھتے ہیں: سیدنا امام حسن علیہ السلام مدینہ پہنچے تو جو بھی ملا کوفہ والوں کی طرح سب نے اس صلح پر آپ علیہ السلام کو ملامت کی۔ لیکن آپ نے ان سب کو جواب دیا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملوں کہ ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کے نرخروں سے خون بہہ رہا ہو اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہو کہ اے خُدا! میں کس گُناہ میں قتل کیا گیا ہوں؟

علامہ ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بزاز کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب سیدنا امام حسن علیہ السلام خلیفہ مقرر ہوئے تو ایک آدمی نے عین نماز کی حالت میں آپ علیہ السلام پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ اُس وقت آپ حالتِ سجدہ میں تھے۔ نماز کے بعد آپ علیہ السلام نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''اے اہلِ عراق! ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ ہم تمہارے امیر و مہمان بھی ہیں اور ہم وہ اہلِ بیت ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳

''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی کو دُور رکھے اور تمہیں خوب پاک اور ستھرا رکھے۔''

(سورۃ الاحزاب آیت ۳۳)

اس آیتِ مبارکہ کو آپ علیہ السلام بار بار پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ

تمام اہلِ مسجد رو پڑے۔

روضۃ الشہداء میں علامہ حُسین کاشفی لکھتے ہیں کہ روایت میں آیا ہے کہ دمشق میں ایک انتہائی بدطینت دُشمنِ اہلِ بیت اندھا شخص رہتا تھا۔ اس نے جب سُنا کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام مُوصل میں پہنچ گئے ہیں تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ میرا دُشمن اور میرے دُشمن کا بیٹا ہے۔ اس لئے مجھے انہیں قتل کرنے کے بغیر خوشی نہیں ہوگی اور کسی کو مجھ پر انہیں قتل کرنے کا گمان بھی نہیں گزرے گا۔ میں موصل جا کر پہلے دوستی کی طرح ڈالوں گا اور پھر موقع ملنے پر جو میرے بس میں ہوگا کر گزروں گا۔

اِس لعین نے اپنے عصاء کی نوک کو زہر آلود کروایا اور موصل کی مسجد میں پہنچ گیا۔ امام عالی مقام سیدنا امام حسن علیہ السلام اس مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اندھے نے نہایت خلوص و وفاداری سے آپ علیہ السلام سے مُلاقات کی اور روزانہ آپ کے پیچھے کھڑا ہو کر نماز پڑھتا اور آپ کے خطبات سُن کر زاروقطار رویا کرتا۔ مگر بدبخت دل میں ہمیشہ یہ سوچتا رہتا کہ کب اُسے موقع ملے اور وہ لاٹھی کا خطرناک زہر آپ کے جسمِ اقدس میں داخل کردے۔ اُسے یقین تھا کہ یہ زہر اِس قدر مُہلک اور جان لیوا ہے کہ آپ علیہ السلام اس کے اثر سے بچ نہ سکیں گے۔

ایک روز سیدنا امام حسن علیہ السلام نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد مسجد کے باہر تشریف لائے اور اپنے احباب سے مصروفِ گفتگو ہو گئے اسی دوران میں یہ

شاطر اندھا لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا۔ آپ کو سلام کیا اور لاٹھی کا سوا زمین پر دے مارا جو آپ علیہ السلام کی کفِ پا پر پڑا جب اس اندھے کو محسوس ہوا کہ اس لاٹھی کا سوا زمین کی بجائے امام علیہ السلام کے پاؤں مبارک پر پڑا ہے تو اس نے پوری قوت کے ساتھ پاؤں پر دباؤ ڈال دیا اور لاٹھی کی زھر آلود نوک آپ کے کف پا میں اُترتی چلی گئی۔ امام عالی مقام آہ بھر کے بیٹھے بیٹھے گر پڑے اور اسی وقت آپ کے پاؤں مبارک میں سوزش ہوگئی۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر رفقاء نے اندھے کو پکڑ کر مارنا چاہا تو سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اسے چھوڑ دو یہ ظاہری طور پر بھی اندھا ہے اور باطنی طور پر بھی اندھا اور بروزِ محشر بھی اسے اندھا ہی اُٹھایا جائے گا۔''

جب اس اندھے کو پتہ چلا کہ امام عالی مقام علیہ السلام نے اسے چھوڑ دیا ہے تو یہ تیزی سے لاٹھی ٹیکتا ہوا لوگوں کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام نے درد سے کراہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے چاہا تھا کہ چند روز کے لئے دُشمنوں کے مکروفریب سے نجات پالوں گا۔ اور اھلِ جو رو جفا سے خلاصی پا کر بلاؤں اور مصیبتوں سے بچا رہوں گا۔ مگر جہاں کہیں بھی جاتا ہوں۔ رنج و بلا اور تکالیف و مصائب میرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

جب جراح کو بلایا گیا تو اُس نے زخم کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ زہر میں ڈبوئے ہوئے لوہے کا زخم ہے اور یہ زخمی کو ہلاک کرنے کی سازش ہے اس

موقع پر سعد موصلی نے عرض کیا: اے ابن رسول اللہ! اگر آپ اس اندھے کو نہ چھڑاتے تو ہم اسے ضرور سزا دیتے۔ اس پر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا وہ خود ہی مکافاتِ عمل کو پالے گا۔

بہر کیف جراح کافی سمجھ دار تھا اُس نے آپ علیہ السلام کا علاج شروع کر دیا اور تمام زہر امام عالی مقام علیہ السلام کی نسوں سے کھینچ لیا۔ اس دوران میں آپ کے جانثار اُس اندھے کو تلاش کرتے رہے۔ جبکہ وہ اندھا چودہ روز تک ایک مقام پر چھپا رہا اور پندرہ روز بعد وہاں سے نکل کر دمش کے راستے پر ہولیا۔ اللہ کی کرنی سے اُسی وقت عباس علی سعد موصلی کے ہاں جا رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ میں لاٹھی پکڑے اس اندھے کو تیز تیز جاتے دیکھا تو غصہ سے ہانپتے ہوئے۔ اس اندھے کی لاٹھی چھین لی اور اسی لاٹھی سے اس کے سر اور منہ پر ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ ان ضربوں کا اثر یہ تھا کہ اُس اندھے کا سر پاش پاش ہو گیا۔

بعد ازاں عباس کے غلاموں نے اس کے حکم سے اندھے کا سر کاٹ لیا اور تمام موصل میں اس کے قتل ہونے کی خبر پھیل گئی۔ سعد موصلی اپنے بھتیجے مختار کو لے کر وہاں پر پہنچا اور ایندھن جمع کر کے اس بد بخت اندھے کی لاش کو جلا دیا۔

(روضۃ الشہداء)

مواعظِ حسنہ

سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''جو دُنیا کو طلب کرتا ہے، دُنیا اُسے لی بیٹھتی ہے اور جو دُنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے تو اسے اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ کون دُنیا استعمال کر رہا ہے، دُنیا کی طلب والا اُس آدمی کا غلام ہوتا ہے جو دُنیا کا مالک ہوتا ہے اور جس کے دل میں دُنیا کی طلب نہیں ہوتی، اُسے تھوڑی دُنیا بھی کافی ہوجاتی ہے اور جس کے دل میں طلب ہوتی ہے اُسے ساری دُنیا بھی مل جائے تو بھی اُس کا کام نہیں چلتا اور جس کا آج کا دن کل آئندہ سے بہتر ہے، یعنی کل آئندہ میں اس کی دینی حالت آج سے خراب ہوگئی تو وہ سخت نقصان میں ہے اور جو اپنی ذات کے بارے میں نقصان کی چھان بین نہیں کرتا وہ بھی نقصان میں ہے اور جو نقصان میں چل رہا ہے۔ اُس کا مرجانا ہی بہتر ہے۔

(اخرجہ ابن النجار)

سیدنا حسن بن علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''یہ جان لو کہ علم اور بردباری زینت ہے اور وعدہ پورا کرنا مردانگی ہے اور جلد بازی بے وقوفی ہے اور سفر کرنے سے انسان کمزور ہوجاتا ہے اور کمینے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا عیب کا کام ہے اور فاسق وفاجر لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے انسان پر تہمت لگتی ہے۔

(اخرجہ ابن عساکر)

امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جسے بھلائی میں سے بہت حصہ مِلا، لیکن اس کے اخلاق اچھے نہیں۔

دوسرا وہ جس کے اخلاق تو اچھے ہیں لیکن بھلائی کے کاموں میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

تیسرا وہ جس کے نہ اخلاق اچھے ہیں اور نہ بھلائی کے کاموں میں اس کا حصہ ہے۔ یہ تمام لوگوں میں سب سے بُرا ہے۔

چوتھا وہ جس کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں اس کا حصہ بھی خوب ہے یہ لوگوں میں سب سے افضل ہے۔

(اخرجہ ابن عساکر)

ایک دن سیدنا امام حسن علیہ السلام سے آپ کے والدِ گرامی حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے چند سوالات کیے، پوچھا:

اے بیٹے! سداد کیا ہے؟

عرض کیا نیکی کے ساتھ بُرائی کو ٹالنا۔

فرمایا: شرف کیا ہے؟

عرض کی: رشتہ داروں کے ساتھ بنا کے رکھنا اور ان کے بوجھ اُٹھانا۔

فرمایا: سماح کیا ہے؟

عرض کیا: تنگی اور آسانی دونوں حالتوں میں مال خرچ کرنا۔

فرمایا: اللوم کیا ہے؟

عرض کیا: ایک آدمی مال جمع کرے اور اس کے لیے اپنی عزت و آبرو کو قربان کر دے۔

فرمایا: حین کیا ہے؟

عرض کیا: دوست پر چڑھائی کرنا اور دُشمن سے پیچھے ہٹ جانا۔

فرمایا: غناء کیا ہے؟

عرض کیا: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھ دیا ہے خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس پر راضی رہنا۔

فرمایا: حلم کیا ہے؟

عرض کیا: غصہ پی جانا اور اپنے آپ پر قابو رکھنا۔

فرمایا: منعتہ کیا ہے؟

عرض کیا: سخت بہادر اور قوی ترین دُشمن سے مقابلہ کرنا۔

فرمایا: الذل کیا ہے؟

عرض کیا: حملے کے وقت خوف زدہ ہو جانا۔

فرمایا: کلفتہ کیا ہے؟

عرض کیا: کسی انسان کا کسی ایسے معاملے میں گفتگو کرنا جو اُس کے مطلب کی نہ ہو۔

فرمایا: مجد کیا ہے؟

عرض کیا: تاوان کے وقت بخشش کرنا اور جُرم سے درگزر کرنا۔

فرمایا: السوود کیا ہے؟

عرض کیا: عمدہ اور اچھی باتوں کا کرنا اور بُری باتوں کو چھوڑ دینا۔

فرمایا: السفہ کیا ہے؟

عرض کیا: گھٹیا پن اختیار کرنا اور گمراہی سے محبت کرنا۔

فرمایا: الغفلۃ کیا ہے؟

عرض کیا: عبادت گزار سے کنارہ کشی کرنا اور مفسد کی پیروی کرنا۔

امام عالی مقام سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جس کو عقل نہیں ملی اُسے ادب بھی نہیں مِلا۔

☆ ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے لیے کسی نااھل کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆ حسد بُرائی کا پیغام لاتا ہے۔

☆ جس میں حیاء نہیں اُس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

☆ فقر اور دولت مندی دونوں حالتوں میں میانہ روی قائم رکھو۔

☆ دانائی دین کی حفاظت، عزتِ نفس، عجز و انکساری، ایفائے عہد ادائے حقوق اور خلق خُدا کی محبت میں پوشیدہ ہے۔

☆ غصہ کا پی جانا اور نفس پر قابو رکھنے کا نام حِلم ہے۔

☆ اپنے سفرِ آخرت کی تیاری کر اور موت آنے سے قبل زادِ راہ کا بندوبست کر۔

☆ دُنیا کی حرص کم سے کم رکھو اور اسے ایک مردار کی مانند خیال کرو۔

☆ عزت صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے۔

☆ مومن آخرت کی فکر کرتا ہے اور کافر صرف دُنیاوی فائدہ۔

☆ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچو، عابد بن جاؤ گے۔

☆ اللہ عزوجل کی تقسیم پر راضی رہو، لوگوں سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

☆ سوال سے قبل عطاء کر دینا بہت بڑی سخاوت ہے۔

☆ نیکی وہ ہے جو ریاکاری سے پاک ہو۔

☆ گناہ پر سزا جلدی مت دو۔ بلکہ درمیانی راستہ ہمیشہ کُھلا رکھو۔

☆ نعمتیں جب تمہارے پاس تھیں تو تم ان کا شکر ادا نہ کر سکے اور جب تم سے جاتی رہیں تو تمہیں ان کی قدر و منزلت یاد آ گئی۔

☆ کسی شخص کے پاس اُس وقت تک نہ جاؤ جب تک تم اُس کے علم سے فائدہ حاصل نہ کر سکو۔

☆ اللہ کی قسم! اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نیکوکار نیکیوں میں مگن رہے۔ جبکہ گناہ گار اپنی بُرائیوں میں مصروفِ عمل رہے۔

☆ تین برائیوں سے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

اول تکبر، دوم: حرص اور سوم حسد۔

☆ تکبر سے دین مِٹ جاتا ہے۔

☆ دس چیزیں مکارمِ اخلاق سے ہیں۔

☆ اول زبان کی سچائی، دوم جنگ کے وقت حملہ کی شدت، سوم سائل کو دینا، چہارم حُسنِ اخلاق، پنجم احسان کا بدلہ، ششم صلہ رحمی، ہفتم پڑوسی کی حفاظت، ہشتم حق دار کی حق شناسی، نہم مہمان نوازی اور دہم شرم وحیاء۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام ارشاد فرمایا کرتے کہ لوگوں کی ہلاکت تین چیزوں سے ہے۔ غرور، لالچ اور حسد۔

غرور بربادیٔ دین کا سبب ہے، اسی وجہ سے ابلیس ملعون ٹھہرا، لالچ نفس کا دُشمن ہے۔ اسی کے سبب سے سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا اور حسد بُرا رہبر ہے۔ اسی کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔

کشف المحجوب میں حضور سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے یوں رقمطراز ہیں:

ائمہ اہلِ بیت اطہار میں سے جگر بند مصطفیٰ، ریحانِ دلِ مرتضیٰ، قرۃ العین سیدہ زہرا ابو محمد سیدنا امام حسن بن علی علیہ السلام ہیں۔ طریقت میں آپ کی نظر کامل اور تعبیراتِ حقائق میں اعلیٰ درجہ کی دسترس حاصل تھی۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے اپنی وصیت میں فرمایا:

"علیکم بحفظ السرائر فان اللہ تعالیٰ مطلع علی

الضمائر ۔"

''تم اسرارِ ربانی کی حفاظت میں محکم رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔''

اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اسرارِ ربانی کی حفاظت ایسی ہی کرتا ہے جس طرح دلوں کے بھیدوں کو وہ دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ لہٰذا حفظِ اسرار یہ ہے کہ غیروں کی طرف متوجہ نہ ہو اور حفظِ ضمائر یہ ہے کہ اس کے اظہار میں حیاء مانع ہو۔

(کشف المحجوب صفحہ ۱۳۸ اُردو ترجمہ)

امامِ حسن علیہ السلام بطور محدث

سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام صاحبِ روایت صحابی ہیں۔ الاستعیاب میں ہے:

"حفظ الحسن بن علی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم احادیث ورواھا عنہ۔"

امام حسن بن علی (علیہ السلام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعدد احادیث حفظ اور روایت کی ہیں۔

(الاستعیاب از ابن عبد البر)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"الحسن بن علی بن ابی طالب الھاشمی وریحانتہ من الدنیا واحد سیدی شباب اھل الجنۃ وروی عن جدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وابیہ علی واخیہ حسین وخالہ ھند بن ابی ھالہ۔"

حسن بن علی بن ابی طالب ھاشمی، سبطِ رسول اور ریحانِ رسول ہیں اور جنت کے دو سرداروں میں سے ایک ہیں۔ اُنھوں نے روایت کی ہے۔ اپنے جدِ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے، اپنے والد حضرت علی (علیہ السلام) سے اپنے بھائی حسین (علیہ السلام) سے اور ھند بن ابی ہالہ سے۔

(تہذیب التہذیب)

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت سی احادیثِ مبارکہ روایت کی ہیں اور آپ علیہ السلام کے حوالہ سے اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا اور بہت سے حضراتِ تابعین مثلاً آپ کے صاحبزادگان اور ابو الحورا، ربیعہ بن شبہان، الشعبی اور ابولوائل رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے احادیث بیان کی ہیں۔

ابوالحورا سیدنا امام حسن علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے امام حسن علیہ السلام سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو کیا کچھ دیا ہے۔

اُنہوں نے فرمایا: مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے صدقہ کی کھجور لے کر منہ میں ڈال لی۔ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو میرے لعاب سمیت میرے منہ سے نکال کر صدقہ کی کھجوروں میں رکھ دیا۔

عرض کی گئی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بچہ کے کھجور کا دانہ لینے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا حرج سمجھا؟

فرمایا: آلِ محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:

"دع ما یر بیك الی مالا یر بیك فان الصدق طمانیة۔"

(مسند امام احمد بن حنبل، کنز العمال انوارِ نبوت)

سیدنا امام حسن علیہ السلام اپنے عہد کے عظیم ترین محدث اور عالم و

فاضل تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ علیہ السلام کے نانا جان امام الانبیاء اور بابا جان بابِ مدینۃ العلم ہیں چنانچہ نور الابصار، تنویر الازھار اور دیگر کتب میں ہے:

سیدنا امام حسن علیہ السلام مسجدِ نبوی میں تشریف لاتے تو لوگ قرآن و سُنت کو سمجھنے کے لئے آپ علیہ السلام کے حضور جمع ہو جاتے۔ ایک شخص آیا، اُس نے دیکھا کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ بیان کر رہا ہے اور لوگ اس کے پاس جمع ہیں۔ اس نے آتے ہی سوال کیا کہ شاہد و مشہود کا مطلب بیان کریں۔ اُس آدمی نے جواب دیا: ''شاھد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے۔''

وہ شخص وہاں سے اُٹھا اور ایک اور حلقہء درس میں بیٹھ گیا۔ وہاں بھی اُس نے محدث سے شاھد و مشہود کے بارے میں دریافت کیا تو محدث نے جواب دیا: ''شاھد جمعہ کا دن اور مشہود نحر یعنی قربانی کے دن کو کہتے ہیں۔'' پھر وہ آدمی وہاں سے اُٹھا اور تیسرے حلقۂ درس میں شامل ہو گیا۔ وہاں جو محدث درس دے رہے تھے۔ اُن سے بھی شاہد و مشہود کے متعلق دریافت کیا۔ اُنہوں نے فرمایا: ''شاھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور مشہود قیامت کا دن ہے۔''

اور فرمایا: کیا تو نے ارشادِ باری تعالیٰ نہیں سُنا۔

''يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا''

اے نبی! ہم نے آپ کو شاھد اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا

بنا کر بھیجا ہے۔''

اور تلاوت کیا:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ

اُس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہوں گے اور وہ دن مشہود ہے۔

اُس شخص نے پھر لوگوں سے پوچھا: پہلا محدث کون ہے؟ لوگوں نے کہا وہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر اُس نے سوال کیا کہ دوسرے محدث کون ہیں تو جواب ملا کہ دوسرے محدث حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر اُس نے پوچھا کہ تیسرے محدث کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ سیدنا امام حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

کشف و کرامات

کرامات کے ضمن میں حضور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں: ''کرامت ولی کی صداقت کی علامت ہے، جھوٹے پر کرامت کا ظہور جائز ہی نہیں ہے اور ولایت کا جھوٹا دعویٰ، کرامت نہ ہونے سے ثابت ہے بلکہ اسکے جھوٹے دعوے کا نشان ہے۔ کرامت ایسا فعل ہے جو اس کی مانند لانے پر انسانی عادتوں کو عاجز کردے۔ معرفتِ الٰہی کے لئے استدلالی قوتوں سے صدق کے مقابل باطل کو عاجز کردینا بھی کرامت ہے۔ اہلِ سُنّت و جماعت کے ایک طبقہ کے نزدیک کرامت حق ہے لیکن معجزے کی حد تک نہیں۔ مثلاً دُعاؤں کا لازمی قبول ہونا یا مُرادوں کا ضروری حاصل ہونا یا اس قسم کی باتیں جو انسانی عادتوں کو توڑنے والی ہوں۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب صحابیٔ رسول حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے مکہ مکرمہ میں سولی پر چڑھایا تو مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہوکر وہ سب کچھ دیکھ لیا اور صحابہ کو بتادیا کہ کفارِ مکہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ظُلم وستم کررہے ہیں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب کی آنکھوں سے بھی درمیان کے پردے اُٹھادیئے حتیٰ کہ اُنہوں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اور آپ پر درود وسلام بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا سلام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوشِ مبارک میں پہنچایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سلام کا جواب دیا اور یہ جواب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں نے سُنا اور دُعا کی یہاں تک کہ وہ روبقبلہ ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ میں ان کو دیکھنا ایسا فعل تھا جو خارقِ عادت یعنی معجزہ تھا۔اسی طرح حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھنا خارقِ عادت یعنی ان کی کرامت تھی۔

بالاتفاق غائب کو دیکھنا خرقِ عادت ہے۔ لہٰذا غیبتِ زمان اور غیبتِ مکان میں کچھ فرق نہ رہا۔ اس لئے کہ حضرت خبیب کی یہ کرامت اس حالت میں ہے جبکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غیبتِ مکانی تھی۔یہی صورت حال متاخرین اولیاء کے لئے ہے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غیبتِ زمانی کی حالت میں ہیں اور یہ ظاہر فرق اور واضح دلیل اِس بات کی ہے کہ کرامت معجزے کے برخلاف نہیں ہوتی۔کیونکہ کرامت، صاحبِ معجزہ کی تصدیق کے بغیر کسی اور حالت میں ثابت نہیں ہوتی اور تصدیق کرنے والے عبادت گزار مومن کے سوا کسی اور سے بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اُمتی کی کرامت درحقیقت نبی ہی کا معجزہ ہے۔کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت باقی ہے، اس لئے لازمی ہے کہ اس کی حجت بھی باقی رہے۔لہٰذا اولیاءِ اُمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی صداقت کے گواہ ہیں۔ یہ جائز

نہیں ہے کہ غیر اُمتی سے کرامت کا ظہور ہو۔

(کشف المحجوب از حضور سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

شہنشاہِ طریقت سے کرامت کے ان معانی و مفاہیم کو سمجھ لینے کے بعد اب ہم ذکرِ جمیل کرتے ہیں سیدنا امام حسن علیہ السلام کی چند کرامات کا۔ یقیناً فرزندِ رسول تو تمام اولیائے اُمت اور صلحائے اُمت کے سردار و امام ہیں۔ اگر آپ کی آل و اولاد میں اس قدر صاحبِ کرامت اولیاء ہیں تو پھر آپ کی شانِ اقدس کے کیا کہنے ہوں گے۔

آپ علیہ السلام کی بے شمار کرامات میں سے چند ایک کا ذکر حصولِ برکت کے لئے کرتے ہیں۔ ایک دفعہ سیدنا امام حسن علیہ السلام حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ عازمِ سفر تھے۔ راستے میں ایک کھجوروں کا باغ آیا جس کے تمام درخت خشک ہو چکے تھے۔ آپ علیہ السلام نے اس باغ میں قیام فرمایا خدام نے ایک خشک درخت کی جڑ کے ساتھ آپ کے لئے بستر لگا دیا۔ اور آپ اس پر لیٹ گئے سیدنا عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے درخت کی جڑ کے ساتھ اپنا بستر بچھایا اور سیدنا امام حسن علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کیا: ''کاش اس درخت پر تازہ کھجوریں ہوتیں اور ہم لوگ کھاتے۔''

اس پر امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: آپ کو تازہ کھجوروں کی ضرورت ہے؟ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: جی ہاں میری

یہی خواہش ہے۔ امام عالی مقام سیدنا امام حسن علیہ السلام نے دُعا کے لئے ہاتھ مبارک اُٹھائے اور زیر لب کچھ پڑھا، جسے دوسرے نہ سُن سکے۔ اسی وقت کھجور کا ایک درخت تر و تازہ ہوکر تازہ کھجوروں کے ساتھ بارآور ہوا۔

ان حضرات کے ساتھ جو شُتر بان تھا۔ اُس نے یہ سارا منظر دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا: ''خدا کی قسم! یہ جادو ہے۔'' سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: یہ جادو نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کی دُعائے مستجاب کا اثر ہے۔ بعد ازاں اس درخت کے اُوپر جا کر کھجوریں اُتار لی گئیں جو تمام لوگوں کے لئے کافی تھیں۔

(شواہد النبوت، روضۃ الشہداء، خلفائے رسول)

حضور سیدنا امام حسن علیہ السلام ایک مرتبہ پیدل بغرضِ حج مکہ معظّمہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ سفر کی صعوبتوں کے باعث آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک میں ورم آ گیا۔ آپ علیہ السلام کے کسی غلام نے عرض کیا۔ کاش کہ آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تو پاؤں کی سوزش کم ہو جائے۔ آپ علیہ السلام نے مگر یہ درخواست قبول نہ کی اور فرمایا جب تم گھر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا۔ جس کے پاس کچھ تیل ہوگا۔ تم اُس سے یہ تیل خرید لینا اور جھگڑا مت کرنا۔

آپ علیہ السلام کے غلام نے دست بستہ عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ ہم نے تو کسی بھی جگہ ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کے پاس

ایسی دوا ہو۔ اس جگہ کہاں دستیاب ہوگی؟ مگر جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو ایک حبشی دکھائی دیا۔ اس پر آپ علیہ السلام نے اُس غلام سے کہا یہ رہا وہ حبشی، جاؤ اور اس سے تیل خرید کر لاؤ۔ جونہی وہ غلام حبشی کے پاس پہنچا اور تیل طلب کیا تو اُس حبشی نے استفسار کیا کہ اے غلام! یہ تیل تم کس کے واسطے خریدنا چاہتے ہو؟ اس پر غلام نے کہا کہ میں یہ تیل حضور سیدنا امام حسن علیہ السلام کے لئے خریدنا چاہتا ہوں۔ حبشی بولا کہ مجھے امام حسن علیہ السلام کے پاس لے چلو میں بھی ان کا غلام ہوں۔ جب وہ حبشی آپ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو عرض کرنے لگا حضور میں آپ کا غلام ہوں۔ تیل کی قیمت نہیں لوں گا۔ بس آپ میری بیوی کے لئے جو دردِ زہ میں مبتلاء ہے۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اُسے ایک تندرست بچہ عنایت فرمائے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اپنے گھر لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا کرے گا۔ جیسا تم چاہتے ہو اور ہمارا مرید ہوگا۔ حبشی گھر گیا تو دیکھا کہ دُعائے امام عالی مقام علیہ السلام پہلے ہی پہنچ چکی تھی اور اُس کے ہاں ایک خوبصورت اور صحت مند بچے کی ولادت ہو چکی تھی۔

(شواہد النبوت)

علامہ ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنی شہادت کے وقت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد خلافت پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہم اجمعین فائز ہوئے۔ پھر مجلسِ شوریٰ میں یقین

تھا کہ حضور سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو خلافت ملے گی لیکن شوریٰ کی جانب سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ چُنا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام خلیفہ مقرر ہوئے۔ پھر تلواریں نکل آئیں اور ہم نے خلافت کو چھوڑ دیا اور اب مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ بخدا خلافت اب بھی ہمارے خاندان میں نہیں رہے گی اور مجھے یقین ہے کہ بے وقوف کوفی تم کو خلیفہ بنائیں گے لیکن پھر یہی لوگ وفا نہ کریں گے۔

اس کے علاوہ کُتبِ سیر میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے حسین! میں اُس وقت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ جب تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ اپنے نانا جان علیہ الصلوٰۃ السلام اور والدِ گرامی علیہ السلام کے نصائح کے مطابق صبر کے دامن کو نہ چھوڑنا اور تم بھی عنقریب ہم سے ملنے والے ہو۔''

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی پیشن گوئیاں حرف بحرف سچ ثابت ہوئیں۔

تاریخ الخلفاء، تنویر الازھار و دیگر کتب میں ہے، اس کے علاوہ اس روایت کو بیہقی اور ابنِ عساکر نے بھی بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا امام حسن علیہ السلام بہت تنگ دست تھے۔ معاویہ ابن ابی سفیان نے شرائطِ صلح کے مطابق جو نذرانہ پیش کرنا تھا وہ روک رکھا تھا اس پر امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام نے

کاغذ اور قلم منگوا کر خط لکھنے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اسی روز آپ علیہ السلام کو آپ کے نانا جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت وملاقات نصیب ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استفسار فرمایا۔ اے بیٹے! کیا حال ہے؟

اس پر امام عالی مقام علیہ السلام نے عرض کیا: ٹھیک ہوں۔ مگر مالی پریشانی لاحق ہے۔ اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم نے اسی لئے قلم اور دوات منگوائی تھی کہ تم ایک مخلوق سے اس ضمن میں کچھ کہو۔

سیدنا حسن علیہ السلام نے عرض کیا، نانا جان! ارادہ تو یہی تھا۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ میں کیا کروں، اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بیٹا تم یہ دُعا پڑھو۔

"اللهم اقذف فی قلبی رجاءك وقطع رجاء عمن سواك حتىٰ لاارجو احداً غيرك اللههم ما فعفت عنه قوتی و ما قصر عنه عملی ولم تنته اليه رغبتی ولم تبلغة مسالتی ولم يجر علی لسانی مما اعطيت احد من الاولين والأخرين من اليقين فخصنی به يا رب العالمين۔"

الٰہی میرے دل میں اپنی آرزو پیدا کر دے اور دوسروں سے میری تمنا اس طرح ختم کر دے کہ میں کسی سے تیرے سوا پھر اُمید نہ وابستہ رکھوں الٰہی میری

قوتوں کو کمزور نہ بنا، میرے نیک اعمال کو کوتاہ نہ کر مجھ سے اعراض نہ کر تو اپنے فضل وکرم سے مجھے توکل وتوفیق کی ایسی قوت عطا فرمایا کہ میں کسی مخلوق کے پاس اپنی حاجت نہ لے جاؤں تو ہی میرے مسائل کو حل فرما اور مجھے وہ سب کچھ دے دے جواب تک پچھلے یا آنے والے شخص کو نہیں دیا، اے رب العالمین! مجھے یقین کی دولت سے مالا مال فرمادے (آمین)

سیدنا امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خُدا کی قسم! میں نے یہ دُعا ایک ہفتہ تک نہیں پڑھی ہوگی کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے مجھے پانچ لاکھ درہم بھیجے۔جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو اپنے یاد کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں فرماتا۔اور اپنے مانگنے والوں کو محروم و نا اُمید نہیں کرتا۔جس دن یہ رقم آئی آپ علیہ السلام فرماتے ہیں، اُسی روز رات کو میں نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت کی ۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال پوچھا حسن! کیسے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں اچھا ہوں اور اس کے بعد میں نے سارا واقعہ گوش گزار کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سُن کر فرمایا: اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنے اور مخلوق سے سوال نہ کرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

نور الابصار میں ہے کہ ایک بار سیدنا امام حسن علیہ السلام نے خواب میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی تو سوال کیا؟

''میں انگوٹھی بنوانا چاہتا ہوں اس پر کیا لکھواؤں۔''

حضور سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اس پر لکھوایئے۔

لا اِلٰہ الا اللہ الملک الحق المبین

کیونکہ یہ کلماتِ مبارک انجیل کے آخر میں تحریر ہیں۔(نور الابصار)

تنویر الازھار میں ہے: ایک بدبخت نے سیدنا امام حسن علیہ السلام کی قبرِ مبارک کی بے حُرمتی کی۔ وہ پاگل ہو گیا اور کُتے کی طرح بھونکتا پھرتا رہا، پھر مر گیا اور قبر میں بھی کُتے کی طرح بھونکتا سُنائی دیتا تھا۔(نعوذ باللہ من ذالک)

اسے ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے۔

ازواج واولاد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ بروزِ محشر تمام نسب منقطع ہوجائیں گے لیکن میرا نسب اُس وقت بھی قائم ودائم رہے گا۔ پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام لوگوں کی نسل بیٹے سے چلتی ہے۔ مگر میری نسل میری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے چلے گی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد احادیث میں حسنین کریمین کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میرے بیٹے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان فرامین وارشادات کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر کوئی کسی نہ کسی طور پر آلِ رسول سے تعلق ونسبت قائم کرنا چاہتا تھا جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود امیر المومنین امام المتقین علیہ السلام کی دُختر نیک اختر سے نکاح کے ذریعے نسبتِ رسولی حاصل کی۔ انہیں فیوض وبرکات اور خاندانِ رسول سے تعلق جوڑنے کی خاطر سیدنا امام حسن علیہ السلام کی خدمت ِ اقدس میں کثرت سے پیغامِ نکاح آئے اور شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں آپ علیہ السلام ایک وقت میں چار سے زیادہ ازواج اپنے عقد میں رکھ بھی نہیں سکتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام نے نوے شادیاں کیں۔ بعض کتب سیر میں تعداد مختلف ہے لیکن کثرت ازواج پر سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء میں جعفر بن محمد کے حوالہ سے

لکھا ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نکاح کرتے اور طلاق دے دیتے۔ مزید لکھا ہے کہ جو عورت آپ علیہ السلام کے نکاح میں آجاتی وہ کسی بھی صورت میں آپ علیہ السلام سے جُدا ہونا گوارا نہ کرتی۔

عبداللہ بن حسن کی زبانی لکھا ہے کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام بہت زیادہ نکاح کرنے والی شخصیت تھے۔ وہ اپنی نئی دُلہن کو تھوڑے دنوں بعد طلاق دے دیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود عالم یہ تھا کہ آپ علیہ السلام جس عورت سے شادی کر لیتے وہ دل وجان سے آپ پر فریفتہ ہو جاتی تھی۔

آپ علیہ السلام کی جن ازواج کا تذکرہ کتبِ سیر میں ملتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) فاطمہ بنت ابومسعود
(۲) اُم بشیر بنت ابومسعود
(۳) اُم اسحاق بنت طلحہ
(۴) خولہ بنتِ منظور
(۵) اُم الحسن
(۶) رملہ
(۷) ام ولد
(۸) تقضیہ
(۹) امراء القیس

(۱۰) جعدہ بنت اشعث

کیونکہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نکاح لوگوں کی خواہش کی بناء پر کرتے تھے، لہٰذا اسی وجہ سے اکثر کو دو تین ایام کے بعد طلاق دے دیا کرتے تھے لیکن وہ خواتین دوسرا نکاح نہیں کرتی تھیں اور اپنی نسبت کو برقرار رکھنے کے لئے کسی اور کی طرف التفات نہیں کرتی تھیں۔(انوارنبوت)

شہزادگانِ امام حسن علیہ السلام

کُتبِ سیر میں آپ علیہ السلام کے جن شہزادگان کا تذکرہ ملتا ہے اُن کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

(1) حضرت زید علیہ السلام

(2) حضرت حسن مثنیٰ علیہ السلام

(3) حضرت حسین الاثرم علیہ السلام

(4) حضرت طلحہ علیہ السلام

(5) حضرت اسماعیل علیہ السلام

(6) حضرت حمزہ علیہ السلام

(7) حضرت یعقوب علیہ السلام

(8) حضرت عبداللہ علیہ السلام

(9) حضرت عبدالرحمٰن علیہ السلام

(10) حضرت عُمر علیہ السلام

(11) حضرت قاسم علیہ السلام

(12) حضرت ابوبکر علیہ السلام

اِن شہزادگان میں سے چار شہزادے میدانِ کربلا میں اپنے چچا جان سیدنا امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ شہید ہوئے۔ اُن کے اسمائے مبارکہ کچھ اس طرح سے ہیں۔ حضرت عُمر، حضرت ابوبکر، حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ علیہم السلام اجمعین۔

آپ علیہ السلام کی دُخترانِ مُقدسہ کے اسمائے گرامی اس طرح سے ہیں۔

(1) سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا

(2) سیدہ اُم سلمہ سلام اللہ علیہا

(3) سیدہ اُم عبداللہ سلام اللہ علیہا

(4) سیدہ اُم الحسین رملہ سلام اللہ علیہا

(5) سیدہ اُم الحسن سلام اللہ علیہا

سیدنا امام حسن علیہ السلام کی نسلِ پاک آپ علیہ السلام کے چار بیٹوں یعنی زید، حسن مثنیٰ، حسین الاثرم اور عمر سے جاری ہوئی۔ مگر حسین الاثرم اور عمر رضوان اللہ علیہ اجمعین کا سلسلہء اولاد جلدی ختم ہوگیا۔ چار شہزادگان کربلا میں شہید ہوئے جبکہ طلحہ، اسماعیل، حمزہ، یعقوب اور عبدالرحمٰن رضوان اللہ علیہم اجمعین

کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اب دُنیا میں صرف زید بن حسن اور حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ کی اولاد ہے۔

حضرت زید بن حسن علیہ السلام کے بیٹے ابو محمد حسن تھے یہ سیاہ رنگ کا لباس زیبِ تن فرماتے، ان کے آگے سات بیٹے تھے۔ آپ کے ساتوں بیٹوں کے اسمائے مبارکہ اس طرح سے ہیں۔

(۱) قاسم (۲) علی سدید (۳) زید (۴) قاسم
(۵) عبداللہ (۶) اسحٰق (۷) اسماعیل

ان ساتوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا۔ ان میں سے علی سدید کے متعدد بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام شجاع ہے۔ آپ کی اولادِ پاک میں سے پاک و ہند کے عظیم ترین ولیٔ کامل حضور سید علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ علیہ رحمۃ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔

''علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شجاع بن ابوالحسن علی سدیدی بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب ہے۔'' آپ کا مزارِ پُر انوار لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام کی اولادِ پاک میں سے بکثرت اولیاء ہوئے۔ حضور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ حضور سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی حسنی سید ہیں۔

چنانچہ آپ کا سلسلہءنسب اس طرح سے ہے۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی بن سید ابو صالح موسیٰ بن سید عبداللہ بن سید محمد بن سید یحییٰ زاہد بن سید محمد بن سید داؤد الامیر بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ بن سید موسیٰ الجون بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن مثنیٰ بن سیدنا حسن بن سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار پُرانوار بغداد میں ہے۔ جہاں ہر وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ مزید یہ کہ سیدنا امام مہدی علیہ السلام بھی سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی نسل پاک میں سے ہوں گے۔ چنانچہ سُنن ابو داؤد میں سیدہ اُم سلمہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"المھدی من عترتی من ولد فاطمتہ"

یعنی مہدی میری اولاد سے اولادِ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سے ہے۔

(سنن ابوداؤد)

ابوداؤد ہی کی روایت ہے کہ سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ شیرِ خُدا علیہ السلام نے اپنے بیٹے سیدنا امام حسن علیہ السلام کو دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''یہ میرا بیٹا سردار عنقریب اس کی اولاد سے ایک مردِ صالح ہوگا جو تمہارے نبی کے نام سے موسوم ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

(سنن ابوداؤد شریف)

سیدنا امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بارے میں ابوداؤد کے علاوہ دیگر محدثین کی ایک بڑی تعداد نے حدیثِ مہدی کو اپنی اپنی کتب میں تحریر کیا ہے نیز حدیثِ مہدی کو متعدد صحابہء کرام نے روایت کیا ہے۔ صحابۂ کرام محدثین اور علمائے کرام کے اقوال سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ سیدنا امام مہدی علیہ السلام قُربِ قیامت میں ظہور فرمائیں گے۔ امام مہدی علیہ السلام سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولادِ پاک میں سے ہوں گے۔ امام مہدی علیہ السلام قیامت کی شرائط میں سے ہیں۔

اسی لئے محدثینِ کرام نے شرائطِ قیامت کے باب میں سیدنا امام مہدی علیہ السلام کا بھی خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اس طرح امام مہدی علیہ السلام علاماتِ قیامت میں سے ایک بڑی علامت ہیں۔

سبحان اللہ! جس حکومت وسلطنت کی خاطر اکثر و بیشتر شاہانِ مملکت نے اپنا دین اور دھرم بیچ ڈالا مگر پھر بھی امارت وحکومت اُس طرح سے نہ کر پائے جس طرح سے اُن کا خواب تھی۔ یہ خلافتِ ارضی اپنی آئیڈیل صورت میں سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد آنے والے ایک فرزند کو نصیب ہوگی۔ جو کہ پھر اس خلافتِ ارضی کا پُورا پُورا حق اداء کریں گے اور اہلِ دُنیا پر رب کی طرف سے یہ حُجت تمام ہوگی کہ خلافت وسرداری کے مستحق صرف اور صرف فرزندانِ رسول ہیں۔ باقیوں کی بقاء ان کی غلامی میں ہے نہ کہ ان سے مقابلے یا جھگڑے میں۔

تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ رہیں گے کہ تیس سالہ خلافت ِ راشدہ کے بعد ایک یہی دور ہوگا جس میں اسلامی نظام پُوری دُنیا میں نافذ ہوگا۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ اُمت کربلا میں آلِ رسول سے بھاگی ہے۔آلِ رسول کے فرزندان تو شہید ہو کر امر ہو گئے مگر یہ اُمت تب سے پِٹ رہی ہے اور اُس وقت تک پٹتی رہے گی جب تک کہ اسے اس نکتہ کی سمجھ نہیں آجاتی کہ ان کی بقاء وتمکنت کا راز آلِ رسول سے وابستہ ہوجانے میں ہے نہ کہ آل رسول سے فرار میں۔

اللہ رب العزت کا اپنا قانون ہے۔وہ مسلم عوام کی بداعمالیوں کی سزا اسی طرح سے جابر حکمرانوں کو مسلط کر کے دیا کرتا ہے۔صرف نام بدل جاتے ہیں وگرنہ فرعون اور یزید ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی نشاطِ ثانیہ اِس بات سے مشروط ہے کہ یہ کب من حیث القوم اپنی اُس عظیم غلطی کی تلافی کرتے ہیں جو ان سے کربلاء میں سرزد ہوئی۔یہ بات خُدائے لم یزل ان کو سمجھا رہا ہے اپنے قانونِ حکمت کے مطابق یہ اسی طرح پٹتے رہیں گے۔لُٹتے رہیں گے اور غیروں اور نام نہاد اپنوں کے ہاتھوں استحصال کا شکار ہوتے رہیں گے تاوقتیکہ ان کو ہوش آئے گی اور یہ دیوانہ وار آلِ رسول کے فرزند سیدنا امام مہدی علیہ السلام کے درِ اقدس پر حاضر ہو کر انہیں اپنا خلیفہ بنائیں گے۔مگر قُربان جائیں فرزندِ حسن بھی کیا خوب ہوں گے وہ اپنے بابا جان اور دادا جان علیہم السلام اجمعین کی سُنت پر عمل کرتے ہوئے کہیں گے بھئی کسی اور کو چُنو، کسی اور کو

دیکھو۔ دوسرے لفظوں میں وہ کہیں گے کہ بھئی اب کیوں آئے ہو کربلا تو بپا ہو گئی ۔۔۔۔۔۔۔ اور دوسری طرف یہ اُمت بھی زبانِ حال سے فریاد کناں ہو گی کہ حضور آپ پر تو کربلا ایک بار آئی آپ کو نوازنے کے لیے جبکہ اُس بے وفائی کی پاداش میں ہم پر تب سے کربلا مسلط ہے اور ہم سود سمیت نسل در نسل اُسے بھگت رہے ہیں۔ اُن کی عرق آلود پیشانیاں اور جھکی نگاہیں یہ پُکار پُکار کر کہہ رہی ہوں گی کہ حضور کربلا نے تو آپ کو مقامِ محمود تک پہنچا دیا۔ مگر ہماری حماقتوں ، بزدلیوں اور بے حمیتی کی وجہ سے جو کربلا ہم پر مسلط ہے اس نے ہمیں ذلّت و رُسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں تب سے دھکیل رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم جیسے بھی ہیں آپ کے نانا جان کی اُمت ہیں۔۔۔۔۔۔

یقیناً فرزندِ رسول کریم بھی ہوں گے، سخی بھی ہوں گے وہ آخر کار اِس اُمت کی ڈوبتی ناؤ کو بیچ منجدھار میں سہارا دیں گے۔ اس بکھری اُمت کے شیرازے کو وحدت کی لڑی میں پروئیں گے۔ ان گرے ہوؤں کو یوں اُٹھائیں گے کہ پھر ہر طرف اسلام ہی کا جھنڈا ہو گا۔ فرزندِ رسول کی سربراہی میں یہ لشکرِ جدھر جدھر سے گزرے گا۔ اُدھر اُدھر ہی نُصرت و سُرخروئی ان کے قدم چُومے گی۔ آپ علیہ السلام جب دمشق پہنچیں گے تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے اس بطلِ عظیم کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

قارئینِ کرام! یہ شان ہے آلِ رسول کی اور یہ وقار ہو گا سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے فرزند امام مہدی علیہ السلام کا۔ یہ دراصل اُس بات کا صلہ

ہوگا کہ اُمت کو فساد و خون ریزی سے بچانے کی خاطر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے سلطنت و حکومت کو ٹھوکر ماری اور جو اس کا حریص تھا۔ اُسے سونپی تو اس عظیم کارنامے کا صلہ آپ علیہ السلام کو دُنیا میں امام مہدی علیہ السلام کی صورت میں مِلے گا کہ آپ علیہ السلام کے اس تخت و تاج کو ٹھکرانے کا انعام یہ ہوگا کہ آپ علیہ السلام ہی کے ایک فرزند کو پوری روئے زمین کی خلافت و حکومت نصیب ہوگی۔ سبحان اللہ!

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نُور کا
تُو ہے عینِ نُور تیرا سب گھرانہ نُور کا

خلافتِ امام حسن علیہ السلام

تاریخ الخلفاء میں ہے:

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حماد بن سلمہ سعید بن جمہان اور سفینہ کی زبانی لکھا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا ہے۔ تیس سال تک خلافت رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہوگی تمام اصحابِ سُنن نے یہ حدیث لکھی ہے اور ابنِ حبان وغیرہ اس کو صحیح کہتے ہیں۔ جمہور علماء کا بیان ہے کہ چاروں خلفاء اور سیدنا امام حسن علیہ السلام کے زمانہ تک کی مُدت یہی تیس سال ہیں۔ بزاز نے محمد بن سکین، یحییٰ بن حسان، یحییٰ ابنِ حمزہ، مکحول، ابوثعلبہ اور ابوعبیدہ بن جراح کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے کہ ''اسلام کا آغاز نبوت و رحمت سے ہوا پھر خلافت و رحمت ہوگی اور پھر ملوکیت و ستم رانی کا دور دورہ ہوگا۔ یہ حدیثِ حسن ہے مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے چند نکات واضح ہوتے ہیں۔

☆ خلافتِ راشدہ کی مُدت کا تعین خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔

☆ خلافتِ راشدہ کا زمانہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی خلافت تک ہے۔

☆ اصحابِ سُنن کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے۔

☆ جمہور علماء کا یہ متفقہ عقیدہ و مسلک ہے۔

☆ خلفائے راشدین کی خلافت نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

خلافتِ رحمت کا ہی تسلسل ہے۔

☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ملوکیت کے بارے میں فیصلہ سب سے بڑی حُجت ہے۔

☆ ملوکیت اور ستم رانی دونوں لازم وملزوم ہیں۔

☆ یہ حدیث حسن ہے۔

آیئے ان نکات کی روشنی میں گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ کی مدت از روئے احادیث

علامہ واقدی نے اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عُمر اور سعید بن مسیب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طُرق سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی روز بیعت کی گئی۔ جس روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا۔ یعنی بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری۔

(تاریخ الخلفاء)

سیدنا ابوبکر صدیق کی مُدتِ خلافت

پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے حوالہ سے تاریخ الخلفاء میں ہے:

''تریسٹھ سال کی عُمر میں شب شنبہ ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ ہجری کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔''

اس طرح آپ کی مدت خلافت کچھ یوں بنتی ہے:

انعقادِ خلافت ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری

اختتام خلافت ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ ہجری

مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ

سیدنا عمر فاروق کی مُدتِ خلافت

زھری کا کہنا کہ جس روز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ اُسی روز سیدنا عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ کے طور پر چُنا گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصالِ مبارک کے حوالہ سے تاریخ الخلفاء میں ہے:

''حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۶ ذوالحج ۲۳ ہجری بروز چہارشنبہ شہید ہوئے۔''

اس طرح سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدتِ خلافت کچھ یوں ہے:

انعقادِ خلافت ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری

شہادت ۲۶ ذوالحج ۲۳ ہجری

مدت خلافت ۱۰ سال چھ ماہ

سیدنا عثمان بن عفان کی مُدتِ خلافت

حافظ الحدیث امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ: ''سیدنا عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے تین روز بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی گئی ۔اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے حوالہ سے ہے: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ۳۵ ہجری ذوالحجہ میں ہوئی۔ چنانچہ آپ کی خلافت کا دورانیہ اس طرح سے ہے:

انعقادِ خلافت ذوالحجہ ۲۳ ہجری

شہادت ذوالحج ۳۵ ہجری

مدتِ خلافت ۱۲ سال

امیر المومنین امام المتقین سیدنا علی المرتضیٰ کی مُدتِ خلافت

اِمام جلال الدین السیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دوسرے روز جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینۃ المنورہ میں سیدنا علی علیہ السلام سے بیعت کی۔''

یہاں پر میں یہ ضرور عرض کرتا چلوں کہ امام المتقین علیہ السلام کی بیعت کا طریقہ اور آپ علیہ السلام کا طرزِ عمل تمام خلفائے راشدین سے منفرد اور افضل تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری اپنی کتاب ''حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں'' یوں رقم طراز ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد تمام اہلِ مدینہ مجتمع ہو کر آپ علیہ السلام کے درِ اقدس پر حاضر ہوئے اور

آپ سے عرض کی کہ اس وقت جو اضطراب اور بے چینی ہے اس میں سے فقط آپ علیہ السلام ہی نکال سکتے ہیں مگر آپ علیہ السلام نے انکار کیا اور فرمایا کسی اور کو ڈھونڈو۔ جب اصرار حد سے بڑھا تو سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں یہاں پر بیعت نہیں لُوں گا۔ اگر میری بیعت کرنا ہی ہے تو سب مسجدِ نبوی میں آ جاؤ۔

(حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں از ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری)

سبحان اللہ ! ایسے ہی مواقع پر فقیر کے دل و دماغ میں یہ فقرہ گونجتا ہے کہ جس سے مشامِ جاں معطر رہتی ہے۔

"لا یقاس بآل محمد من ھٰذہ الامت احدا"

قارئین کرام! اسی طریق پر فرزند امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام یعنی سیدنا امام مہدی علیہ السلام کی قُربِ قیامت میں بیعت ہوگی۔

جمعرات کے روز ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو بدبخت ترین ملعون عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کوفہ کی جامع مسجد میں قاتلانہ حملہ کیا۔ آپ علیہ السلام اس حملہ میں شدید زخمی ہوئے۔ ۲۱ رمضان المبارک شبِ پیر سن ۴۰ ہجری کو آپ علیہ السلام کی شہادت ہوئی۔

(تاریخ الخلفاء)

چُنانچہ آپ کی مُدتِ خلافت اس طرح سے ہے:

انعقادِ خلفات ذوالحج ۳۵ ہجری

شہادت   رمضان ۴۰ ہجری

مدتِ خلافتِ حیدری   چار سال نو ماہ

سیدنا امام حسن علیہ السلام کی مُدتِ خلافت

الصواعق المحرقہ میں امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"هو آخر الخلفاء الراشدين بيص جده صلى الله عليه وآله وسلم ولى الخلافة بعد قتل ابيه بمبايعته اهل الكوفة فاقام بها ستة شهر و ايام ا خليفة حق وامام عدل و صق تحقيقاً لما اخبر به جده الصادق صلى الله عليه وآله وسلم بقوله "الخلالفة بعدى ثلا ثون سنة فان تلك الستة الاشهر هى المكملة لتلك الثلثين فكانت خلافته منصوصاً عليها ـ"

آپ یعنی سیدنا امام حسن علیہ السلام اپنے نانا کی حدیث کے مطابق آخری خلیفہء راشد ہیں ۔ اپنے باپ کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ کی بیعت سے آپ خلیفہ بنے اور چھ ماہ چند دن تک آپ خلیفہ رہے ۔ آپ خلیفہء برحق اور امام عادل و صادق ہیں ۔ اور اپنے نانا جان کی اس پیشین گوئی کو پُورا کرنے والے ہیں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی ۔

(الصواعق المحرقہ)

تاریخ الخلفاء میں ہے:

حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام اپنے والدِ ماجد حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک خلافت کے منصب پر فائز رہے۔

(تاریخ الخلفاء)

خلافتِ راشدہ کی پُوری مدّت

چُنانچہ خلافتِ راشدہ کی پُوری مدت اس طرح سے بنتی ہے:

(۱) خلافتِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲ سال ۳ ماہ
(۲) خلافتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۰ سال چھ ماہ
(۳) خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۲ سال
(۴) خلافتِ علی علیہ السلام	۴ سال نو ماہ
(۵) خلافتِ امام حسن علیہ السلام	چھ ماہ
ٹوٹل	تیس سال

گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی خلافت سے دستبرداری کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ کے سنہری دور کا خاتمہ ہوا اور از روئے حدیث ملوکیت وستم رانی کے دور کا آغاز ہوا۔ جس کا نقصان عالمِ اسلام کو آج تلک ہو رہا ہے اور یہ ہوتا رہے گا۔ تاوقتیکہ یہ اُمت ہوش کے ناخن لے اور شیخ

سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ''من ودست وداماں آل رسول'' کا نعرہ لگاتے ہوئے فرزندِ امام حسن امام مہدی علیہ السلام کی بیعت نہ کرلے۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلم احیاء کا دور وہیں سے شروع ہوگا جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا۔ دراصل سیدنا امام حسن علیہ السلام نے خلافت سے دستبرداری کے بعد جمیع اُمت کے سامنے حریص اور متکبر حکمرانوں کے قیامت تک پردے چاک چاک کردیئے ہیں۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کی زبردست حکمتِ کاملہ کارفرما ہے۔

اُمت کو امام حسن علیہ السلام کی خلافتِ مقدسہ سے لے کر سیدنا امام مہدی علیہ السلام کے خلیفہ بن جانے تک کے درمیانی عرصہ میں علمی، فکری اور جسمانی طور پر یہ حقیقت پُوری شد و مد کے ساتھ سمجھائی جائے گی کہ جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی تمہارا دُنیا و آخرت میں سردار بنایا ہے۔ اُن کو سردار مان لینے ہی میں تمہاری عافیت، خوشحالی اور بقاء کا راز چُھپا ہے۔ مگر چونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے اس لئے یہ دُرگت بنوائی جارہی ہے تاکہ یہ خلافت امام مہدی علیہ السلام تک اچھی طرح اپنی تسلی کرلیں اور جہاں بھاگ سکتے ہیں وہاں جاکر دیکھ لیں یہود کی گود میں بھی بیٹھ کر دیکھ لیں، نصاریٰ سے دوستی کرکے بھی دیکھ لیں۔ اور منافق نام نہاد مسلمان حکمرانوں کی بیعت کرکے بھی دیکھ لیں۔

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سیدنا امام حسن علیہ السلام کی خلافت کے اہم واقعات

حضرت ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو سیدنا امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! آج رات ایسی ہستی دُنیا سے اُٹھالی گئی ہے کہ جن سے پہلے لوگ اُن سے آگے نہیں جا سکے اور جنہیں پچھلے لوگ پا نہیں سکیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اُنہیں کسی جگہ بھیجتے تو انہیں دائیں طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور بائیں طرف سے حضرت میکائیل علیہ السلام اپنے گھیرے میں لے لیتے اور جب تک اللہ تعالیٰ انہیں فتح سے نواز نہ دیتا یہ واپس نہ آتے یہ صرف سات سو درھم چھوڑ کر گئے ہیں۔ آپ (علیہ السلام) اس سے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے۔ آج رمضان المبارک کی رات میں ان کی روح قبض کی گئی ہے۔ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اُٹھایا گیا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: وہ سونا، چاندی کچھ نہیں چھوڑ گئے ہیں۔ صرف سات سو درھم چھوڑ کر گئے ہیں۔ جو ان کے بیت المال میں اس ملنے والے وظیفہ میں سے بچے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء از ابی نعیم، اخرجہ ابن سعد اخرجہ امام احمد)

طبرانی میں ہے:

جب سیدنا علی علیہ السلام شہید ہو گئے تو سیدنا امام حسن علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا: امابعد! آج رات ایک آدمی کو شہید کر دیا گیا۔ اسی رات میں قرآن پاک نازل ہوا۔ اسی میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو اُٹھایا گیا۔ اسی رات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم یوشع بن نون کو شہید کیا گیا اور اسی روز میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔

پھر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا اُسے میں اپنا تعارف کروا دیتا ہوں۔ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بیٹا حسن ہوں۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی:

"وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ"

پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کچھ اور پڑھنے لگے پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مختلف نام لے کر فرمایا: میں بشارت دینے والے کا بیٹا ہوں، میں ڈرانے والے کا بیٹا ہوں۔ میں نبی کا بیٹا ہوں میں اللہ کے حکم سے اللہ کی دعوت دینے والے کا بیٹا ہوں۔ میں روشن چراغ کا بیٹا ہوں۔ میں اس ذات کا بیٹا ہوں جنہیں رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ میں اُس گھرانے کا فرد ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے گندگی دور رکھی اور جنہیں خوب اچھی طرح پاک رکھا میں اُس گھرانے کا فرد ہوں۔ جن کی محبت اور دوستی کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا۔

چُنانچہ جو قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ اُس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے (اس تبلیغ) پر کچھ اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ میری قرابت سے محبت رکھو۔

(اخرجہ الطبرانی، روایت ابن سعد و روایت ابی یعلیٰ)

امام حاکم نے المستدرک میں آپ علیہ السلام کے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:

میں نبوی گھرانے سے ہوں ۔حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمانوں سے اُتر کر ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اور ہمارے پاس سے آسمان کو اُوپر جایا کرتے تھے، اس روایت میں اس آیت کا یہ حصہ بھی ہے۔

وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَّزِدْ لَہٗ فِیْہَا حُسْنًا ط۔

اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں خوب زیادہ کردیں گے۔
یہاں نیکی کرنے سے مُراد ہمارے سارے گھرانے سے محبت کرنا ہے۔

تنویر الازھار اور فصول مہمہ میں ہے:

سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس سے بچو عابد ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو تیرا مقسوم کر دیا ہے اس سے راضی رہو غنی ہو جاؤ گے۔ اپنے ہمسائے سے اچھا سلوک کرو، سلامتی میں رہو گے جیسے تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو عادل ہو جاؤ گے۔ تمہارے سامنے لوگ ہیں جو

کثیر مال جمع کرتے ہیں ۔ مضبوط مکان بناتے ہیں ، لمبی لمبی اُمیدیں لگاتے ہیں ۔ وہ سب ہلاک ہوجائیں گے ۔ ان کے اعمال ان کو دھوکہ دے رہے ہیں ۔ ان کی رہائش قبرستان ہے ۔ اے آدم زاد! تو جب سے پیدا ہوا اور اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آیا، تیری عُمر کم ہورہی ہے ۔ جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے ۔ اس کے ساتھ عاقبت کی تیاری کر مومن آخرت کی راہ کا ذخیرہ کرتا ہے ۔ اور کافر دُنیاوی نفع حاصل کرتا ہے ۔ اس کے بعد سیدنا امام حسن علیہ السلام نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی ۔

"وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔"

زادراہ ساتھ لو بے شک بہتر زادراہ تقویٰ ہے ۔

تاریخ طبری میں سیدنا امام حسن علیہ السلام کی بیعت کے حوالہ سے ہے:

40ہجری میں سیدنا حسن بن علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلافت کی بیعت ہوئی ۔ سب سے پہلے قیس بن سعد نے یہ کہہ کر بیعت کی کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے ۔ میں آپ سے خُدائے عزوجل کی کتاب ، اُس کے نبی کی سُنّت اور مُفسدوں سے جنگ کرنے پر بیعت کرتا ہوں ۔

امام حسن علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنت پر کہہ یہی سب شرطوں پر شامل ہے ۔ قیس نے بیعت کر لی اور کچھ نہ کہا پھر اور لوگوں نے بھی بیعت کی ۔

(تاریخ طبری از ابی جعفر محمد بن جریر الطبری)

صلح الحسن میں ہے: سیدنا امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

" وان معاوية زعم ابي رايته للخلافت اهلا ولم ارنفسى لها اهلا فكذب معاوية نحن اولى الناس بالناس فى كتاب الله عزوجل وعلى لسان نبيه ـ"

معاویہ کا خیال ہے کہ میں اُسے خلافت کے لئے اہل سمجھتا ہوں اور اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ یہ معاویہ کا خیال باطل ہے۔ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کے مطابق خلافت کے اہل اور مستحق ہیں۔

(صلح الحسن)

صدقت يا ابو محمد حضور سيدنا ومولانا امام حسن المجتبیٰ عليه السلام!

صُلح حسن علیہ السلام

سیدنا امام حسن بن علی علیہ السلام تقریباً چھ ماہ خلافت پر فائز رہے۔اس کے بعد سیدنا امام حسن علیہ السلام نے معاویہ بن ابی سفیان سے مصالحت کی۔ یہ تاریخ اسلام کا وہ زریں اور درخشاں باب ہے جس پر منافقین آج بھی نوحہ کناں ہیں۔اس صُلح میں بے شمار حکمتیں موجزن تھیں۔اول تو یہ کہ قرآنِ پاک میں ہے:

''الصلح خیر ''صُلح میں بھلائی ہے۔

دوم یہ کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے انتہائی Strong Note پر صلح کی۔ چُنانچہ البدائیہ والنہایہ میں ہے: حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام بُخاری نے کتاب الصلح میں ذکر کیا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں: خُدا کی قسم! حضرت حسن بن علی (علیہ السلام) نے معاویہ بن ابی سفیان کا ایسی فوجوں سے سامنا کیا جو پہاڑوں کی مانند تھیں۔عمرو بن عاص نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ فوجیں اپنے مدِ مقابل لوگوں کو قتل کئے بغیر واپس نہیں جائیں گی۔معاویہ نے یہ بات سُن کر کہا کہ اگر ایسی صورت حال ہوئی تو پھر لوگوں کے معاملات کو سنبھالنے والا کوئی نہ ہوگا۔ بایں وجہ معاویہ نے قریش میں سے دو آدمی عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس بھیجے کہ تم دونوں آپ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔اور ان سے صلح کے بارے میں گفتگو کرو۔

وہ دونوں گئے اور سیدنا امام حسن علیہ السلام سے اس بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔امام حسن علیہ السلام نے کہا: ہم عبدالمطلب کے بیٹے ہیں (ہم کسی سے ڈرتے نہیں ہیں۔) ان دونوں نے کہا کہ معاویہ آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ صلح ہو جائے۔امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: جو بات تم کر رہے ہو۔اس کا ضامن کون ہوگا؟ اُنہوں نے کہا: ہم دونوں آپ کو اس کی ضمانت دیتے ہیں لہٰذا حضور امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر لی۔

(البدائیہ والنہائیہ)

تاریخ الخلفاء میں ہے: حضرت علی (علیہ السلام) کی شہادت کے بعد کوفیوں نے امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔ ابھی چھ ماہ اور کچھ دن آپ نے خلافت کی تھی کہ معاویہ ایک دن آپ (علیہ السلام) کے پاس آیا۔ اللہ تعالیٰ کو حَکم اور فیصلہ دھندہ مان کر شرائطِ ذیل مقرر ہوئیں۔

☆ فی الوقت معاویہ سربراہِ مملکت بنائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی موت کے بعد امام حسن علیہ السلام خلیفۃ المومنین ہوں گے۔

☆ باشندگان مدینہ، حجاز اور عراق سے مزید کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں لیا جائے گا بلکہ سیدنا علی علیہ السلام کے زمانہ سے جو دستور چلا آ رہا ہے وہی برقرار رہے گا۔

☆ امامِ حسن علیہ السلام کے ذمہ قرض کی ادائیگی معاویہ کریں گے۔

ان شرائط کو معاویہ نے قبول و منظور کیا اور باہمی صلح ہوگئی یہ صلح نامہ دراصل معجزۂ نبوی تھا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ یہ میرا بیٹا مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائے گا۔ غرضیکہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے خلافت سے دستبرداری کی۔

(تاریخ الخلفاء)

تاریخ طبری میں ہے: سیدنا امام حسن علیہ السلام نے شرائط صلح معاویہ کے پاس بھیج دیں۔ تو معاویہ نے پہلے ہی ایک سادہ کاغذ پر اپنی مُہر لگائی اور سادہ کاغذ سیدنا امام حسن علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔ اور کہا اس کاغذ پر جو شرطیں

آپ چاہتے ہیں وہ لکھ دیں ۔تو امام حسن علیہ السلام نے جو شرائط پہلے لکھی تھیں اُن میں اضافہ کر دیا اور یہ مہر والا کاغذ اپنے پاس رکھ لیا اور دوسری طرف معاویہ نے آپ علیہ السلام کا پہلا خط اپنے پاس رکھ لیا۔ جب امام حسن (علیہ السلام) اور معاویہ کی مُلاقات ہوئی تو امام حسن (علیہ السلام) نے معاویہ سے کہا کہ تم اُن شرائط کو پورا کرو۔ جس پر تم نے مہر لگائی ہے۔معاویہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ان شرائط کو منظور کرتا ہوں جو آپ نے پہلے خط میں لکھی تھیں ۔ وہ شرائط کیا تھیں ؟ آیئے جانتے ہیں۔

☆ معاویہ کتاب اللہ، سُنتِ رسول اور خلفائے صالحین کی سیرت کے مطابق حکومت چلائیں گے۔

☆ معاویہ کسی کو بھی اپنا ولی عہد مقرر نہیں کریں گے۔ بلکہ مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ جس کو چاہے گی خلیفہ مقرر کرے۔

☆ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام پر سب وشتم نہیں کیا جائے گا بلکہ آپ کا ذکرِ خیر ہوگا۔

☆ حجازِ مقدس، عراق، یمن اور شام میں بسنے والوں پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔

☆ اصحابِ علی اور آپ کے تابعدار جہاں کہیں ہوں گے اِن پر کسی قسم کا ظُلم وستم نہیں ہوگا۔ان کی جانیں، مال اور اولاد ہر طرح سے محفوظ رہیں گی۔

☆ امام حسن، امام حسین اور اہلِ بیت رسول علیہم السلام اجمعین کے

ساتھ کسی قسم کی زیادتی اور ظلم نہ ہوگا۔

☆ ہر حق دار کو اُس کا حق دیا جائے گا۔

☆ امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کے تمام قرضوں کی ادائیگی معاویہ کریں گے۔

☆ کوفہ کے بیت المال میں جو مال ہے وہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کو دیا جائے گا۔

☆ دارابجرد کا خراج بھی امام حسن علیہ السلام کو دیا جائے گا۔

☆ مدینہ منورہ، حجاز اور عراق کے باشندگان سے مزید کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں لیا جائے گا بلکہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانہ سے جو دستور چلا آرہا وہ برقرار رہے گا۔

قارئین کرام! آپ ان شرائطِ صلح کو بار بار غور سے پڑھیں۔آپ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی بصیرت اور حکمت پر عش عش کر اُٹھیں گے اس عہد نامے کے ذریعے ایک تو آپ علیہ السلام نے اُمت کو فساد اور خونریزی سے بچایا۔ کیونکہ معاویہ اینڈ کمپنی کے لوگ کردار و عمل کے لحاظ سے جیسے بھی تھے۔ بہر حال مسلمان تھے۔ اعتقادی طور پر نہ تو مشرک تھے اور نہ ہی مُنافق ہاں عملی طور پر منافقین کی جن خصلتوں کا ذکر احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے وہ اُن میں بدرجہء اتم موجود تھیں۔ بہر حال یہ ایک الگ بحث ہے اس پر بات اگلے اوراق میں ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ ان شرائطِ صلح کی صورت میں سیدنا امام حسن علیہ

السلام نے اپنے نانا جان حضور سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مطہرہ پر عمل کرتے ہوئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے ان شرائط کے ذریعے دراصل معاویہ ابن ابی سفیان کو ایک بہترین (Road map) دیا جس پر اگر وہ عمل کر لیتے تو ایک بہتر حکمران کے طور پر ابھرتے۔لیکن بڑے افسوس اور دُکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے ان شرائط کو پُورا نہ کیا۔ چُنانچہ آپ تاریخ وسیر کی کوئی کتاب اُٹھا کر دیکھ لیں۔آپ پر یہ ہولناک حقیقت منکشف ہوگی کہ معاویہ نے ان شرائط کو پورا کرنا تو درکنار، ان کے خلاف عمل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور یوں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ فرمانِ ذیشان پورا ہو کر رہا کہ ''میرے بعد خلافت راشدہ تیس سال کی ہوگی اور اس کے بعد ملوکیت وستم رانی کا دور ہوگا۔''

تیسری بات یہ کہ قُرآن وسُنّت کی تعلیمات کے مطابق اگر فریقِ مخالف صُلح کے لئے ہاتھ بڑھائے تو صُلح کر لینی چاہیے۔ چُنانچہ اس صُلح نامے کی صورت میں سیدنا امام حسن علیہ السلام نے بالکل وہی کیا جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم تھی۔

چوتھی بات یہ کہ اگر آپ علیہ السلام صُلح کی پیشکش کو قبول نہ کرتے تو اہلِ شام کے پاس یہ جواز ہوتا کہ ہم تو صُلح کرنا چاہتے تھے مگر فرزندِ رسول نے ہم سے صُلح نہ کی۔ چُنانچہ اس تناظر میں بھی دیکھا جائے تو صُلح بہترین حکمتِ عملی تھی۔

پانچویں بات یہ کہ فریقِ مخالف پر آپ علیہ السلام کا رُعب و دبدبہ تھا۔ وہ آپ علیہ السلام سے مرعوب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُنہوں نے صُلح کی پیش کش کی تو اپنی طرف سے کوئی شرط نہ لگائی بلکہ کہا کہ جو شرائط آپ لکھ دیں۔ ہمیں منظور ہے۔ اس طرح کے معروضی حالات میں سیدنا امامِ حسن علیہ السلام کی صُلح دراصل ایک بہت بڑی فتح تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی پُوری بقیہ حیاتِ مبارکہ تک معاویہ ابن ابی سفیان پر آپ کا رُعب و دبدبہ رہا اور یوں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک اور فرمان سیدنا حسن المجتبیٰ علیہ السلام کے حق میں پُورا ہوا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا: ''حسن کے لئے میری ہیبت اور سرداری ہے۔''

(طبرانی شریف، الصواعق المحرقہ)

فریقِ مخالف آپ علیہ السلام کے مقام و مرتبہ اور مسلمانانِ عالم کے نزدیک جو آپ کی قدر و منزلت تھی اُس سے اچھی طرف واقف تھا۔ پھر جنگِ صفین میں تو شکست اُن کو چھو کر گزری تھی۔ اگر انہوں نے قرآن نیزے پر نہ اُٹھائے ہوتے تو وہ داستان عبرت بن جاتے۔ مگر قدرت نے کسی اور طرح سے اُن کو نشانِ عبرت بنانا تھا۔ اس صورت حال میں معاویہ ابن ابی سفیان ہر صورت میں صُلح کا خواستگار تھا۔ چُنانچہ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے صُلح کر کے نہ صرف اپنا رُعب و دبدبہ برقرار رکھا بلکہ سخاوت کی بھی ایک عظیم الشان مثال قائم کر دی۔ جو قیامت تک کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ علیہ السلام نے اُمت کی وحدت کی

خاطر اقتدار کو ٹھوکر ماری۔ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔

چھٹی بات یہ کہ سیدنا امامِ حسن علیہ السلام اھلِ کُوفہ کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔ اگر آپ علیہ السلام حجازِ مقدس میں ہوتے تو صُورتحال مختلف ہوتی کیونکہ حجازِ مقدس کے لوگ خاندانِ اھلِ بیت پر دل و جان سے فِدا تھے۔ اُن کی محبت صرف زبانی دعوؤں تک نہ تھی بلکہ وہ آلِ رسول کی خاطر اپنا تن من دھن قُربان کرنے والے لوگ تھے۔ اُن میں صحابۂ کرام بھی موجود تھے اور اُن کی پاکباز اولادیں بھی۔ وہ صحابۂ کرام جنہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حسن و حسین علیہم السلام اجمعین سے محبت کرتے دیکھا تھا۔ جنہوں نے اپنے کانوں سے حسن و حسین کے مناقب و فضائل زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنے تھے۔ اگر آپ علیہ السلام حجازِ مقدس کو دارالخلافہ بناتے یا وہاں سے کوئی لشکرِ جرار لاتے تو صُورتحال یکسر مختلف ہوتی۔ مگر آپ علیہ السلام کا رنگ خالصتاً عثمانی و مُرتضوی تھا۔ آپ حجازِ مقدس کی سرزمین پر سلطنت و امارت کے لیے خون ریزی پسند نہ کرتے تھے۔

دوسری طرف اہلِ کُوفہ کا حال یکسر مختلف تھا، یہ لوگ محبت کے دعوے دار تو تھے مگر اہلِ محبت نہ تھے۔ یہ اطاعتِ امیر کے درس سے نا آشنا تھے۔ چُنانچہ جنگِ صفین کے بعد جب حکم کے فیصلے کے مطابق صلح کی کوششیں شروع ہوئیں تو یہ لوگ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے شدید ترین مخالف بن گئے۔ حالانکہ انہی لوگوں کی وجہ سے جنگِ صفین میں فتح ہوتے ہوتے رہ گئی۔ جب سیدنا علی المرتضیٰ

علیہ السلام نے دُشمن کی چال دیکھی تو ان ظاہر پرستوں کو سمجھایا کہ لڑائی سے ہاتھ نہ روکو۔ مگر یہ ظاہر پرست لوگ قرآن کو نیزے پر دیکھ کر لڑائی سے رُک گئے۔ ویسے یہاں سوچنے کی بات ہے کہ معاویہ اور اُس کے لشکر نے قرآنِ مجید فرقانِ حمید کو کس طرح سے نیزوں پر اُٹھایا ہوگا۔ ذرا چشمِ تصور سے دیکھیں تو آپ کو اُن کی ایمانی کیفیت کا خود ہی اندازہ ہوجائے گا آپ جان لیں گے کہ یہ لوگ اپنی جان بچانے کی خاطر کچھ بھی کر سکتے تھے حتیٰ کہ قرآنِ مقدس کی بے حُرمتی بھی۔

اسی طرح جب اہلِ کُوفہ کو سیدنا امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کی صلح کی خبر ملی تو اُنہوں نے کہا:

"اشركت يا حسن كما اشرك ابوك من قبل"

اے حسن! کیا تو نے بھی اسی طرح شرک کیا جس طرح تجھ سے قبل تیرے باپ نے کیا۔

(کشف الغمہ)

تاریخِ آئمہ میں ہے: امام حسن (علیہ السلام) نے معاویہ سے صلح کر لی۔ پس جب یہ خبر دونوں جگہ شائع ہوئی تو امام حسن (علیہ السلام) کی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ فوجی آپ کے خیمے پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کا کُل اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مُصلیٰ تک گھسیٹ لیا۔ دوش پر سے ردا مبارک بھی اُتار لی۔

ان لوگوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بنی اسد کے ایک ملعون جسے صراح

بن سنان کہتے ہیں۔ وہ آیا اُس نے آپ علیہ السلام کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور ران مبارک پر خنجر مارا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ علیہ السلام کے پہلوئے مبارک پر خنجر مارا اور کہنے لگا کہ تو بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گیا۔ (معاذ اللہ)

(منتہی الامال)

ان جیسے بدبختوں کو دیکھ کر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے کہا:

"واللہ ان معٰویۃ خیر من ھٰؤلآء شیعتی الذین یزعمون انھم شیعتی۔"

اللہ کی قسم! مجھے معاویہ ان شیعوں سے بہتر ہے جو کہ اپنے آپ کو میرے شیعہ (حُب دار) گمان کرتے ہیں۔

(احتجاج طبرسی)

چنانچہ ایسے لوگوں کی موجودگی میں معاویہ بن ابی سفیان جیسے شاطر حریف پر قابو پانا انتہائی مشکل تھا۔ مزید یہ کہ اہلِ کوفہ مزاجاً بزدل تھے اور آپ علیہ السلام اس کمزوری سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ اہلِ کوفہ کے کس قدر نبض شناس تھے اس کا اندازہ آپ کو اس بات سے ہوگا کہ جب کوفہ میں پہلے سردار قیس بن سعد نے آپ علیہ السلام کی بیعت ان الفاظ کے ساتھ کی کہ "میں اللہ تعالیٰ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّت اور مفسدین سے جنگ کرنے پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔" تو آپ علیہ السلام نے فوراً کہا: کتاب اللہ اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنت کہو یہی اصل شرائط ہیں۔"

(تاریخ طبری حصہ چہارم)

چنانچہ انہی دو شرائط پر دیگر تمام لوگوں نے آپ علیہ السلام کی بیعت کی۔

اسی طرح جب معاویہ کے خلاف پہلی فوج کشی کی گئی تو مقام ساباط پر پہنچ کر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اپنی فوج میں کمزوری کے آثار دیکھے۔ اسی مقام پر رُک کر آپ علیہ السلام نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔ "میں کسی مسلمان کے لئے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم اسے مسترد نہیں کرو گے۔ جس اتحاد و یک جہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس تفرقہ واختلاف سے کہیں افضل ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں۔ میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔

(عظمتِ صحابہ از محمد ادریس بھوجیانی)

تاریخ طبری میں ہے: سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اھل عراق کے مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر کی اور فرمایا: "اے اھلِ عراق! میں نے تم لوگوں سے جو اپنی جان چُھڑا لی اس کے تین سبب ہیں۔ میرے باپ کو تم نے قتل کیا، مجھ پر تم نے برچھی سے وار کیا اور میرے مال کو تم نے لوٹ لیا۔"

(تاریخ طبری حصہ چہارم)

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اہلِ کوفہ سے کس قدر نالاں تھے۔

صُلح سے قبل اھلِ کوفہ سے کیا گیا آپ علیہ السلام کا یہ خطاب بھی کتب سیر میں درج ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم بغیر کسی اور ندامت کے شامیوں سے مقابلہ کئے بغیر نہیں لوٹ رہے بلکہ ہم شامیوں سے صبر کے ساتھ جنگ کرتے لیکن حالات کا تقاضا یہ نہیں ہے۔ صفین میں جب تمہیں بلایا گیا تھا۔ اس وقت تمہارا دین دُنیا پر مقدم تھا مگر اب حالات اس کے برعکس ہیں۔ آج تمہاری دُنیا دین پر مقدم ہے اور ہم بھی اب تمہارے لئے ویسے نہیں ہیں جیسے پہلے تھے۔ تمہارے سامنے اب بھی دو قسم کے مقتول ہیں ایک صفین کے جن کے لئے تم رو رہے ہو اور دوسرے نہروان کے جن کا بدلہ تم لینا چاہتے ہو۔ تم ہمیں ایسے امر کی دعوت دے رہے، جو عزت اور انصاف کے خلاف ہے۔ پس اب فیصلہ تمہاری رائے پر موقوف ہے۔ اگر تم موت چاہتے ہو تو ہم اسے تمہاری ہی جانب لوٹا دیں گے اور اللہ سے اس کا فیصلہ چاہیں گے اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو اسے بھی ہم مان لیں گے اور تمہارے لئے رضائے الٰہی کے طلبگار رہوں گے۔''

ان تمام حقائق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ سیدنا امام حسن المجتبیٰ بن سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے معاویہ ابن ابی سفیان سے صُلح کر کے نہ صرف ان چُوری کھانے والے مجنوؤں کو امان بخشی بلکہ جمیع بلادِ اسلامیہ

کو فساد اور خون ریزی سے بچایا۔

ساتویں بات یہ کہ قدرت کو اس صُلح کے ذریعے معاویہ ابن ابی سفیان و دیگر کے کردار و عمل کو (Expose) کرنا مقصود تھا۔ اس صُلح کے بعد جب معاویہ ابن ابی سفیان تمام بلادِ اسلامیہ کا حکمران ٹھہرا تو پھر رفتہ رفتہ کردارِ معاویہ کی پرتیں لوگوں پر کُھلتی چلی گئیں جو کہ ظاہر ہے صُلح نہ ہونے کی صورت میں کبھی بھی عیاں نہ ہوتیں۔ بلکہ عین ممکن تھا کہ لوگ معاویہ کو ہمدردِ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہی سمجھتے رہتے۔ اس طرح سے اُس بہتان تراشی کا جواب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مل گیا۔ جس کی بناء پر امیر المومنین، امام المتقین سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا گیا تھا۔ اور اہلِ شام کی ہمدردیاں سمیٹی گئیں تھیں۔ وہ دن ہیں اور آج کا دن۔۔۔۔۔۔۔ اھلِ شام نے دوبارہ کبھی معاویہ اینڈ کمپنی کا نام نہیں لیا۔

نفرت کا وہ طُوفان اُٹھا کہ آج پورے شام میں کوئی شخص بھی معاویہ کی قبر تک سے واقف نہیں اس حقیقت کا ذکر مستنصر حسین تارڑ نے بھی اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔ چنانچہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کی صُلح بہترین حکمتِ عملی تھی جو آپ علیہ السلام نے اپنائی اور اپنے کردار وعمل سے ثابت کیا کہ آپ واقعی فرزندِ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کی آپ پر اور آپ کے آباء واھلِ بیت پر بے حد و حساب رحمتیں اور سلامتی ہو۔ (آمین یارب العالمین!)

صُلح کے بعد

تاریخ طبری میں ہے: اس صُلح کے بعد کوفہ میں مجمع ہوا تو عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا کہ حسن (علیہ السلام) سے کہو کہ اُٹھیں تقریر کریں۔ معاویہ کو یہ بات گوارانہ ہوئی۔ پوچھا آخر تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کیوں تقریر کریں؟ عمرو نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ تقریر میں عاجز ہیں۔ اس باب میں عمرو نے ایسا اصرار کیا کہ آخر معاویہ کو ماننا پڑا۔ معاویہ نے مجلس میں آکر تقریر کی۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا اُس نے حسن (علیہ السلام) سے کہا کہ اس مسجد میں تقریر کیجئے۔

اس پر اُنہوں نے فوراً بلا تامل تشہد پڑھا، اس کے بعد فرمایا۔ ایہا الناس! اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے پہلے شخص (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور ہم میں سے آخری شخص (سیدنا امام حسن علیہ السلام خود) کے ذریعہ سے تم کو کُشت وخون سے بچالیا اور سُنو اس کی حکومت کی ایک مدت و میعاد ہے اور دُنیا دست بدست پھرا کرتی ہے اور حق تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرما چکا ہے۔

"وَإِنۡ أَدۡرِىۡ لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيۡنٍ ﴿١١١﴾"

(سورۃ الانبیاء آیت ۱۱۱)'

کیا معلوم کہ وہ تمہاری آزمائش ہو اور چند دن کی آسائش۔ اتنا ہی فرمایا

تھا کہ معاویہ نے کہا بیٹھ جایئے اور عمرو پر معاویہ کو غصہ آرہا تھا کہ اُس کی رائے پر چلنے کا یہ انجام ہوا۔

(تاریخ طبری حصہ چہارم)

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں: جب معاویہ نے سیدنا امام حسن علیہ السلام سے صُلح کی تو معاویہ نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ جب یہ بات طے ہوگئی ہے تو آپ کھڑے ہوکر گفتگو کریں اور لوگوں کو بتادیں کہ آپ نے خلافت چھوڑ دی ہے اور اسے میرے حوالے کردیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام اُٹھے اور منبر پر بیان کیا۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں اس بیان کو سُن رہا تھا۔ سیدنا امام حسن علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا: امابعد! سب سے زیادہ سمجھداری تقویٰ اختیار کرنا ہے اور سب سے بڑی حماقت گناہوں میں مبتلاء ہونا ہے اور معاویہ کا خلافت کے بارے میں مجھ سے اختلاف تھا یا تو یہ میرا حق تھا۔ جسے میں نے معاویہ کے لئے اس لئے چھوڑ دیا تاکہ اس اُمت کا آپس کا معاملہ ٹھیک رہے اور ان کے خون محفوظ رہیں۔ یا کوئی اور اس خلافت کا مجھ سے زیادہ حقدار ہے تو اب میں نے یہ خلافت اُس کے حوالے کردی ہے۔ پھر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

"وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾"

(سورۃ الانبیاء آیت ۱۱۱) (طبرانی فی الکبیر)

حاکم اور بیہقی کی بیان کردہ روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

’’میں اسی پر اپنی بات کا اختتام کرتا ہوں اور میں اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

(اخرجہ الحاکم، واخرجہ البیہقی)

سیدنا امام حسن علیہ السلام کی بے با کی، جرأت اور خطیبانہ صلاحیت اپنی مثال آپ تھی۔

مدینہ منورہ تشریف لے جانے سے قبل آپ علیہ السلام نے معاویہ اور اُس کے ساتھیوں کی موجودگی میں ذیل کا خطبہ دیا۔

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بے شمار درود وسلام اے معاویہ! تم وہ ہو جس کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اس کا شکم کبھی سیر نہ ہو۔ امیر المومنین وہ تھے جو مشرکین سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت فرماتے تھے اور شبِ ہجرت اپنی جان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس طرح سے فدا کر دیا کہ ان کی اس قربانی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا جن کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ نیز فرمایا کہ تم دُنیا وآخرت میں میرے بھائی ہو۔

اے معاویہ! تم وہ ہو جس کے باپ نے جنگ خندق میں لوگوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل پر اُکسایا اور تمہارا بھائی تمہارے باپ کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا اور تم اس اونٹ کو ہنکار رہے تھے۔

اے معاویہ! تم ہی وہ شخص ہو جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کا گورنر بنایا مگر تم نے خیانت کی ۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے والی بنایا مگر تو کبھی بھی ان کا خیر خواہ نہ رہا۔''

تاریخ الخلفاء میں ہے: دست برداریٔ خلافت کے تھوڑے دنوں بعد سیدنا امام حسن علیہ السلام کوفہ سے مدینہ چلے گئے اور مدینہ ہی میں مقیم ہو گئے ۔ حاکم نے جُبیر بن نضیر کی زبانی لکھا ہے: ''میں نے امام حسن علیہ السلام سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ آپ پھر خلافت کے طلبگار ہیں ۔تو ارشاد فرمایا: جس وقت عربوں کے سر میرے ہاتھ میں تھے اُس زمانے میں جس سے چاہتا میں ان کو لڑا دیتا اور جس سے چاہتا صُلح کروا دیتا اس وقت میں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے دستبرداری کی اور اُمت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خون کو رائیگاں نہیں کیا جس خلافت سے میں نے صرف اللہ عزوجل کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے دستبرداری کی ہے اب اس کو باشندگانِ حجاز کی خوشی حاصل کرنے کے لیے طلب کرنا کسی حالت میں مناسب و گوارا نہیں ہے۔''

(تاریخ الخلفاء از امام سیوطی)

صُلح کے بعد بعض نادانوں نے آپ علیہ السلام کو اِس صُلح پر طعنے دیئے مگر آپ نے کمال خندہ پیشانی کے ساتھ مسکت جوابات دیئے جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے ۔سیدنا امام حسن علیہ السلام کی خلافت سے دستبرداری کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ کے زریں دور کا خاتمہ ہوا اور ملوکیت وستم رانی کے

سیاہ دور کا آغاز ہوا۔ یہاں پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ اور ملوکیت کا فرق واضح کیا جائے تا کہ قارئین کرام کو سمجھنے میں آسانی رہے۔آیئے پہلے خلافتِ راشدہ کے امتیازی اوصاف کا تذکرہ کرتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ کے اوصاف

البدائیہ والنہائیہ میں ہے: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔ پھر بادشاہی ہوگی اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ ہجری میں ختم ہوگئی۔ جب سیدنا امام حسن علیہ السلام معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج نبوت یعنی خلافتِ راشدہ ختم ہوگئی اور بادشاہت شروع ہوگئی۔

خلفائے راشدین اور جمیع صحابہ کرام کے نزدیک خلیفہ کا تقرر اکابرینِ اُمت کے مشورہ سے مشروط تھا۔طبقات ابن سعد میں ابوموسیٰ اشعری کا یہ قول خلافت وملوکیت کے فرق کو واضح کرتا ہے۔

"ان الامارۃ ما اوتمر فیھا وان الملك ما غلب علیه السیف۔"

خلافت وہ ہے جسے باہمی مشاورت سے قائم کیا جائے۔اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔

(طبقات ابن سعد)

مولانا مودودی صاحب اپنی شُہرہ آفاق کتاب خلافت وملوکیت میں خلافتِ راشدہ کے امتیازی اوصاف کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

''رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی براہِ راست تعلیم وتربیت اور عملی راہنمائی سے جو مُعاشرہ معرضِ وجود میں آیا تھا اس کا ہر فرد یہ جانتا تھا کہ اسلام کے احکام اور اس کی روح کے مطابق کس قسم کا نظامِ حکومت بننا چاہیے۔ اگرچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا لیکن مسلمانوں نے خود جان لیا کہ اسلام ایک شوروی خلافت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے نہ وہاں کسی خاندانی بادشاہی کی بنیاد ڈالی گئی اور نہ کوئی شخص طاقت استعمال کرکے برسرِ اقتدار آیا نہ کسی نے خلافت حاصل کرنے کے لئے کوئی دوڑ دھوپ یا برائے نام بھی اس کے لئے کوشش کی بلکہ یکے بعد دیگرے اصحاب کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے خلیفہ بناتے رہے۔ اس خلافت کو اُمت نے خلافتِ راشدہ قرار دیا ہے۔

خلافتِ راشدہ نبوت کی مکمل نیابت تھی۔ اس خلافت میں وہ تمام فرائض سرانجام دیئے گئے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ میں دیا کرتے تھے۔ اور اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ دارالسلام میں دینِ حق کے پورے نظام کو اس کی اصلی شکل کے ساتھ چلائے۔ اور دُنیا میں مسلمانوں کی پوری اجتماعی طاقت اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے پر لگادے۔

(خلافت وملوکیت)

خلیفہ راشد کن اوصاف کا حامل ہوتا ہے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد از خلافت خطابات اس کی جامع ترین تصویر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور حاکم نے ابنِ عوف کی زبانی لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا: ''بخدا دن و رات میں کسی وقت بھی مجھے امیر و حاکم بننے کا شوق پیدا نہیں ہوا۔ میں نے حکومت کا کبھی لالچ نہیں کیا۔ میں نے ظاہر و باطن میں طلبیٔ حکومت کی دُعا بھی نہیں کی۔ فتنہ و فساد برپا ہونے کا مجھے خوف تھا اور اس کے باوجود میرے کندھوں پر ایک امرِ عظیم رکھا گیا۔ انشاءاللہ بہ تائیدِ ایزدی اس دُشوار وسخت کام کو انجام تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ حکومت و خلافت کرنے میں مجھے کوئی راحت و آرام دل نصیب نہیں ہوگا۔

(تاریخ الخلفاء)

ابنِ اسحاق نے السیرۃ میں لکھا ہے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر بعد ازاں حمد وثناء کے فرمایا: ''لوگو! مجھے تمہارا امیر بنایا گیا ہے حالانکہ میں آپ سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر بھلائی کروں تو میری امداد کرنا۔ اگر کج روی کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور لوگ قوت دار ہو جائیں گے کیونکہ میں انہیں ان کے حقوق دلواؤں گا۔ اور تم میں سے قوی لوگ کمزور نظر آئیں گے۔ کیونکہ ان سے دوسروں کے حقوق اداء کر دیئے جائیں گے۔

یادرکھو! جس قوم نے فی سبیل اللہ جہاد چھوڑ دیا۔ وہ خستہ و ذلیل ہوگئی اور جس قوم میں بدکاری عام ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس قوم پر بلائیں مسلّط کردیتا ہے۔ میں جب تک اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں اس وقت تک تم میری اطاعت کرنا اور نعوذ باللہ اگر اللہ ورسول کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرنا۔ نماز پڑھتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تم پر مہربانیاں کرے گا۔

طبقاتِ ابن سعد میں سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت لینے کے بعد برسرِ منبر فرمایا: ''اگرچہ خلافت مجھے سونپی گئی ہے لیکن میں اس سے مسرور نہیں۔ بخدا اگر تم میں سے کوئی شخص اس کو اپنے ذمے لے لے تو بہتر ہوگا۔ اب جب کہ تم نے یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے تو تم اُس وقت تک میری اطاعت کرنا جب تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتا رہوں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور وہ معصوم تھے۔ اور میں ایک معمولی انسان ہوں۔ مجھ میں تم سے زیادہ اچھائیاں نہیں ہیں۔ اگر تم مجھے ٹیڑھے راستے پر دیکھنا تو سیدھا کردینا۔ یاد رہے کہ شیطان بھی میرے ساتھ لگا ہوا ہے۔ جب مجھے غضبناک دیکھو تو مجھ سے علیحدہ ہوجانا اور مجھے تم پر کوئی ترجیح نہیں ہوگی۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ تیس سالہ خلافتِ راشدہ کے دور میں تمام خلفائے راشدین ان سنہری اُصولوں پر کاربند رہے۔ جن کا تذکرہ امیرِ کارواں،

خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اولین خطبات میں کیا تھا۔

خلیفۂ راشد خادمِ اُمت ہوتا تھا

اسلام کے اس اولین سنہری دور میں نبوی تعلیمات کے براہِ راست فیضان کا نتیجہ یہ تھا کہ خلفائے راشدین خود کو امیر وسردار کے روپ میں نہیں بلکہ اُمت کے خادمین کی حیثیت سے شب وروز مصروف رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ابنِ عساکر نے انیسہ کی زبانی لکھا ہے کہ خلافت کے بعد ایک سال تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے محلہ میں رہے۔ محلہ کی لڑکیاں آپ کے پاس اپنی بکریاں لاتیں اور آپ ان کو دودھ دوھ دیا کرتے تھے۔

ابنِ عساکر ہی نے بحوالہ ابوصالح غفاری لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کی ایک اندھی بڑھیا کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لے لی تھا۔ راتوں کو اس کا پانی بھرتے اور دن کا کام کاج کر دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دیکھا کہ اس کا کام کاج کسی اور نے کر دیا ہے اس کے بعد آپ نے متواتر دیکھا کہ آپ کی آمد سے پہلے ہی کوئی شخص اس اندھی بڑھیا کا کام کاج پورا کر جاتا ہے، چنانچہ آپ گھات میں رہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں اس بڑھیا کا کام کر جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بخدا آپ

اس اندھی بڑھیا کا کام بھی انجام دے رہے ہیں۔

سیدنا عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں راتوں کو مدینہ منورہ میں گشت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک عورت اپنا دروازہ بند کئے فراق کے شعر پڑھ رہی تھی۔ چُنانچہ آپ نے گورنروں کے نام فرمان لکھا کہ کسی فوجی کو چار ماہ سے زیادہ دارالحرب اور میدانِ کارزار میں نہ روکا جائے۔

(تاریخ الخلفاء)

رعایا کی خبر گیری اور دیکھ بھال کا خیال آپ پر اس قدر غالب رہتا تھا کہ آپ فرمایا کرتے: ''اگر دریائے فراست کے کنارے کوئی بکری کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو بروزِ محشر عمر اس کا جواب دہ ہوگا۔''

طبقاتِ ابن سعد میں موسیٰ بن طلحہ کی زبانی لکھا ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک جمعہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ زرد لباس زیبِ تن کئے مسجد میں تشریف لائے۔ برسرِ منبر رونق افروز ہو کر لوگوں سے بازار کے بھاؤ، ان کے کوائف اور مریضوں کے حالات دریافت فرما رہے تھے اور مؤذن اذان دینے کی تیاری کر رہا تھا۔ عبداللہ روی کا بیان ہے: امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو اُٹھ کر خود ہی وضو کا سامان فراہم کر لیا کرتے تھے لوگوں نے کہا کسی غلام کو بیدار کر لیا کیجئے تا کہ وہ انتظام کر دیا کرے تو آپ نے فرمایا یہ مناسب نہیں کیونکہ وہ رات کو آرام کر رہے ہوتے ہیں۔

(تاریخ الخلفاء)

امیر المومنین، امام المتقین حضور سیدنا ومولا نا علی المرتضیٰ علیہ السلام دورِ خلافت سے پہلے جس سادہ مکان میں زندگی بسر کرتے تھے۔ خلافت کے بعد بھی اُس مکان میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ دورِ خلافت میں سادہ خوراک استعمال کرتے۔ نمود ونمائش سے سخت نفرت تھی۔ سادگی آپ علیہ السلام کا خاص شعار تھا۔

بعض دفعہ فاقوں سے دن بسر ہوتا۔ دورِ خلافت میں آپ علیہ السلام بازاروں میں گھومتے۔ بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے۔ کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد فرماتے تاجروں اور دکانداروں کو عدل و انصاف کے بارے میں قرآنی آیات پڑھ کر سُناتے اور لوگوں کو ماپ تول میں کمی بیشی سے متنبہ فرماتے اور ساتھ ساتھ فرماتے کہ منافع میں دوسروں کا بھی خیال رکھا کرو اور ماپ تول میں فراخدلی سے کام لیا کرو۔ خداوندِ کریم تمہارے مال میں اپنے غیبی خزانوں سے برکت عطا کرے گا۔ کم تولنے سے ایک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔ یاد رہے امین اور صدیق تاجر کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا۔

انفاق فی سبیل اللہ آپ علیہ السلام کا ایک امتیازی وصف تھا۔ خود بھوکے رہ کر غریبوں، محتاجوں کو کھانا کھلا دیتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے دروازے سے کبھی بھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپ فیاضی میں بے مثل سمندر تھے۔

(عظمتِ صحابہ)

سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اپنی مختصر مدتِ خلافت میں انہی اُصولوں کی پاسداری کی۔ لوگوں نے گالیاں بھی دیں تو آپ علیہ السلام نے اُن کو نوازا۔

آپ کے درِاقدس پر غریبوں اور بے نواؤں کا ہر وقت جمگھٹا رہتا۔ آپ ان سب کو کھلاتے پلاتے مگر خود صرف جو کی روٹی پر اکتفا کرتے۔ گزشتہ اوراق میں آپ کی سیرت کے ان واقعات کا ذکر کیا جاچکا ہے۔

فقیر نے انتہائی اختصار کے ساتھ خلفائے راشدین کی خدمتِ عوام کے چند واقعات کا ذکر کیا ہے۔ وگرنہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں خلفائے راشدین کی خُدا ترسی کے ہزاروں واقعات ملتے ہیں۔

جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کے اس اولین دور میں خلافت سے مراد ہمہ وقت عوام الناس کی خدمت ہوا کرتی تھی۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ خلافتِ راشدہ دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کا ہی تسلسل تھی۔ جبھی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خلافتِ راشدہ کو اپنی اُمت کے لیے رحمت سے تعبیر کیا تھا۔

خلافتِ راشدہ میں بیت المال قومی ملکیت تھا

بیت المال کا جو تصور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دورِ حیات میں تھا۔ خلافتِ راشدہ میں اس کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔ بیت المال اللہ رب العزت کی امانت اور قوم کی ملکیت تصور ہوتا تھا۔ مطلق العنان حکمرانوں کی طرح اسے خلیفہ کی ذاتی ملکیت نہیں سمجھا جاتا تھا۔

شیخین نے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ بحرین سے مال و دولت کی آمد پر میں تمہیں (جابر) بہت زیادہ دوں گا۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصالِ مقدس کے بعد بحرین سے مالِ غنیمت آیا۔جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جس کا قرض ہو یا جس سے وعدہ فرمایا گیا ہو وہ ہمارے پاس آئے۔ چنانچہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد سے آگاہ کیا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس مال میں سے لے لو۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال اُٹھالیا جب شمار کیا تو وہ صرف پانچ سو تھے۔اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو ڈھائی ہزار عنایت فرمائے۔خلیفۃ المسلمین بیت المال سے کس قدر وظیفہ لیتے تھے ملاحظہ فرمائیے۔

طبرانی نے مسند میں سیدنا امام حسن علیہ السلام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال سے پہلے فرمایا۔اے عائشہ (سلام اللہ علیہا)! یہ نوزائیدہ دودھ دینے والی اونٹنی جس کا دودھ ہم لوگ استعمال کرتے تھے اور ہمارے کھانے کا یہ بڑا پیالہ اور یہ دھاری دار چادر جسے ہم اوڑھتے تھے ان سب سے ہم نے اپنی خلافت کے زمانہ میں استفادہ کیا ہے۔ جبکہ ہم مُسلمانوں کے کام سرانجام دے رہے تھے۔اب میرے انتقال کے بعد یہ چیزیں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دے دینا۔ چنانچہ حسبِ وصیت جب اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے یہ چیزیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے پاس روانہ کیں تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم وکرم کی بارشیں کرے۔ آپ نے مجھ پر بوجھ لا دیا ہے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا: ''بیٹی! میں نے خلافت کے زمانے میں بیت المال کا کوئی روپیہ پیسہ نہیں لیا۔ البتہ موٹا جھوٹا کھایا اور معمولی لباس پہنا۔ مسلمانوں کی ملکیت میں سے میرے پاس صرف یہ ایک حبشی غلام، یہ میرے پانی لانے والا اونٹ اور یہ کہنہ چادر ہے۔ میرے انتقال کے بعد یہ چیزیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روانہ کر دینا۔

سیرتِ صحابہ، تاریخ الخلفاء و دیگر کتب میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المومنین حضور سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے زمانوں میں بیت المال میں جو بھی مال آتا اُسے فوراً ضرورتمندوں اور مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ چنانچہ بیت المال خالی پڑا رہتا تھا۔ حضور سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ جتنا بھی مال آتا اُسے فوری تقسیم کر دیتے اور پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے بیت المال میں جھاڑو دے کر دو رکعت نوافل شکرانے کے اداء فرماتے کہ اللہ رب العزت نے اس ضمن میں آپ کو سُرخرو کیا۔ ایک بار بہت سا سونا اور چاندی بیت المال میں آیا۔ کسی نے اطلاع ان الفاظ کے ساتھ دی:

''امیر المومنین زرد اور سفید مال آیا ہے۔'' آپ علیہ السلام فوراً اُٹھے بیت المال تشریف لے گئے اور سونے اور چاندی کے ڈھیروں کے پاس کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: ''اے زرد اور سفید مال! کسی اور کو دھوکہ دینا۔''

یہ کہہ کر آپ نے ضرورتمندوں اور مستحقین اور بے نواؤں میں فوری طور پر وہ سارے کا سارا مال تقسیم کر دیا اور پھر شکرانے کے نوافل اداء فرمائے۔

حضور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حوالے سے کیا رائے تھی۔ آیئے جانتے ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں ہے:

''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: بیت المال اللہ کا مال ہے جس کی بے انتہا حفاظت کرتا ہوں اور یتیموں کا مال ان کو دلانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ اگر تونگر ہو جاؤں تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند و محتاج ہو گیا تو بقدرِ ضرورت اس میں سے کھانے پینے کے لئے لوں گا۔ اور جب مالدار ہو جاؤں گا تو بیت المال سے لیا ہوا قرض واپس کر دوں گا۔''

طبقات ابنِ سعد میں حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے: والدِ بزرگوار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کبھی ضرورت پیش آتی تو بیت المال کے منتظم کے ذریعہ سے بیت المال سے قرض لیتے۔ اگر تنگی کی وجہ سے بروقت بیت المال کا قرضہ اداء نہ کر سکتے تو منتظم بیت المال آپ سے سخت تقاضا کرتا اور آپ اس سے مہلت مانگ لیتے۔ (سبحان اللہ! تاریخ عالم اس طرح کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ صرف ''عباد اللہ المخلصین'' کا طریق ہے۔)

اور پھر جب آپ کے پاس رقم آجاتی تو بیت المال کا قرض فوراً اداء کر دیا کرتے تھے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی مرض میں مبتلاء تھے لوگوں نے عرض کیا: اس مرض میں شہد بہت ہی مفید ہے ۔ بیت المال میں شہد کا کنستر بھرا ہوا موجود تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم اجازت دو تو بیت المال میں رکھے ہوئے شہد میں سے تھوڑا سا لے لوں۔ وگرنہ بغیر حصولِ اجازت میرے لئے وہ بالکل حرام ہے چنانچہ لوگوں نے آپ کو اجازت دی۔

طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ سیدنا عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل عرصے تک بیت المال سے کوئی چیز اور رقم نہیں لی۔ یہاں تک کہ آپ افلاس میں مبتلاء ہو گئے پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشاورت کی کہ امورِ خلافت سرانجام دینے کی وجہ سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خورد ونوش کا کیا انتظام کروں؟ اس پر حضور مولا علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''صبح وشام کا کھانا آپ بیت المال سے لے لیا کریں۔'' چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مشورہ کے مطابق عمل کیا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین حضور مولا علی علیہ السلام کو اپنے درمیان وہی جگہ دیتے تھے جو کہ مُرشد ورہبر کو دی جاتی ہے۔ اور جس طرح سے اُنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصیت وتلقین کی تھی لہٰذا یہ پروپیگنڈا بالکل

بے بنیاد اور غلط ہے کہ معاذ اللہ! صحابہ کرام نے آل رسول کا حق غصب کیا یا اُن سے حُسنِ سلوک نہیں کیا۔ یہ محض فتنہ پرداز اور مُنافق لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں جن کا حقیقت سے دُور دُور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ یہ وہی فتنہ پرور جاہل اور سازشی لوگ ہیں جنہوں نے بعد ازاں حضور مولا علی علیہ السلام اور سیدنا امام حسن علیہ السلام پر بھی کفر و شرک کے فتوے لگائے۔ اس حقیقت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

چُنانچہ خلفائے ثلاثہ یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور مولا علی علیہ السلام کا بے حد ادب و احترام کرتے۔ حضراتِ ابوبکر و عُمر رضوان اللہ علیہم اجمعین مشاورت تو بہت سوں کے ساتھ کرتے مگر عمل صرف مشورۂ مرتضیٰ کے مطابق کرتے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں خلفائے راشدین کے دور ہر حوالے سے آئیڈیل اور بے مثال رہے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے: قتادہ کا بیان ہے حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں ایک اُونی جُبہ پہنے رہتے تھے جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے (یہی وہ صوف کا لباس ہے جو بعد ازاں اہلِ تصوف کی بنیادی علامت بن گیا اور اسی لباس کی وجہ سے اُنہیں صوفی کہا جانے لگا۔) اور یہی لباس پہنے آپ ہاتھ میں دُرّہ لئے بازار تشریف لے جاتے اور لوگوں کو ادب و تہذیب سکھاتے تھے۔ اور اگر راستہ میں کوئی پھٹا پُرانا کپڑا یا کھجور کی گھٹلی مل

جاتی تو اسے اُٹھا کر کسی کے گھر میں ڈال دیتے تا کہ اس سے دوبارہ استفادہ کیا جا سکے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قمیص میں کندھے کے پاس چار پیوند لگے پہنے دیکھا ہے۔

(تاریخ الخلفاء)

طبقات ابن سعد میں ہے: کسی نے آپ سے سوال کیا، اللہ کے مال میں سے کیا چیز حلال ہے ؟ فرمایا: عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لئے صرف دو کپڑے، ایک موسم سرما کا اور دوسرا موسم گرما کا۔ حج وعمرہ کا خرچہ، اپنے اور اپنے اھل وعیال کے لئے اتنی غذا جو قریش کے معمولی شخص کے لئے کافی ہوسکتی ہے اور میں مسلمانوں کا ایک معمولی سا فرد ہوں۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے تاجر تھے۔ آپ کی دولت میں اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے بے حد برکت تھی۔ اگر آپ مٹی خریدتے تو سونا بن جاتی۔ اس لئے بیت المال سے وظیفہ وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر آپ کے دور میں کثرت سے فتوحات ہوئیں۔ بیت المال مالِ غنیمت سے بھر گیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیش رو خلفائے راشدین کی سُنت پر عمل کرتے ہوئے تمام تر وسائل کا رُخ عوام کی فلاح وبہبود اور خوشحالی کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء ودیگر کتبِ سیر میں ہے کہ دولت کی اس قدر

فراوانی ہوئی کہ لوگ خوش عیشی میں مبتلاء ہو گئے۔اس عہد میں تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت، تجارت اور علوم وفنون کی بے مثال ترقی ہوئی۔ دولت، فارغ البالی اور خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔صحابہ کرام نے مدینہ طیبہ اور قرب و جوار میں خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں۔قدیم بازاروں کے علاوہ نئے بازار بھی بنائے گئے۔سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں سن ۲۶ ہجری میں مسجد الحرام کی توسیع ہوئی اور ۲۹ ہجری میں مسجد نبوی کی توسیع وتعمیر ہوئی۔ یہ کام دس ماہ میں مکمل ہوا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المال کی رقم تو فلاحِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرتے ہی تھے اس کے علاوہ آپ اپنے ذاتی مال کو بھی بے دریغ مسلمانوں کی فلاح کے لئے خرچ کرتے تھے۔گھر میں سادہ زندگی کا عالم یہ تھا کہ چراغ کی بتی زیادہ بنانے پر بھی اہل وعیال کو کفایت شعاری کی تلقین فرماتے مگر مخلوقِ خدا کے لئے آپ کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے اور سات سات سو اُونٹ تک (غلہ سمیت) ایک ایک سائل کو بخش دیتے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی امانت داری، فیاضی اور سخاوت کی بناء پر اُمتِ مسلمہ آپ کو ''غنی'' کے لقب سے پکارتی ہے اور ہمیشہ پکارتی رہے گی۔اللہ تعالیٰ کی تمام خلفائے راشدین اور اُن کے پیشوا پر ابدالآباد تک رحمتیں اور سلامتی ہوں۔آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

محبّتِ اہلِ بیت

تمام خلفائے راشدین دل و جان سے اہلِ بیت اطہار کا ادب و احترام کرتے تھے۔ اس کی تین وجوہات تھیں: اول تو یہ کہ ان حضراتِ گرامی کے سامنے قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی آیاتِ مبارکہ نازل ہوئی تھیں جن میں محبتِ اہلِ بیت کو لازم اور کردارِ اہلِ بیت کو پاکیزہ و مطہر قرار دیا گیا تھا۔

دوم یہ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد مقدس فرامین جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہلِ بیت اطہار کی باطنی و روحانی خلافت، علمی فضیلتیں، عمدہ خصائل، اُخروی درجات اور بارگاہِ اُلوہیت میں ان کی قدر و منزلت کا ذکر کیا تھا اُن کے سامنے موجود تھے۔

سوم یہ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت و تعلق ظاہری کا بھی خلفائے راشدین کو از خود بے حد خیال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام اہلِ بیت اطہار کے قدموں میں اپنی جنت ڈھونڈتے تھے اور اُن سے مودت و احترام کے رشتہ کو جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔

چُنانچہ حافظ ابنِ کثیر اپنی شہرہ آفاق کتاب ''البدائیہ والنہائیہ'' میں لکھتے ہیں:

''کان الصدیق یکرمه ویعظمه و کذالك عمر و عثمان''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسنین کریمین کا احترام کرتے تھے اور اُن کی تعظیم بجالاتے تھے اور یہی حال حضرت عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

تاریخ الخلفاء میں ہے: ابونعیم نے عبدالرحمین اصبہانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہء رسول برسرِ منبر خطبہ دے رہے تھے اتنے میں سیدنا امام حسن علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا:

> ''ہمارے باپ کے منبر پر سے اُتر جائیں۔ یہ سُن کر ارشاد فرمایا: آپ سچ کہتے ہیں اور پھر سیدنا امام حسن علیہ السلام کو اپنی گود میں بٹھایا اور خوب روئے۔

حضور مولا علی علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: بخدا میں نے یہ بات انہیں نہیں سکھائی۔ جواب دیا: آپ سچ فرما رہے ہیں میں آپ پر تہمت نہیں باندھتا۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے ابنِ عساکر نے ابو البختری کی زبانی لکھا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ برسرِ منبر خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں سیدنا امام حسین علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: میرے باپ کے منبر سے نیچے اُتر جایئے۔

فرمایا: یہ منبر تمہارے ہی باپ کا ہے میرے باپ کا نہیں، مگر یہ تو کہو کہ تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟ اس پر سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے ارشاد

فرمایا: بخدا میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا اور پھر سیدنا امام حسین علیہ السلام کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اے بے وفا! تم سے یہ بات کس نے کہی تھی؟ اس پر سیدنا فاروق اعظم خلیفۃ الرسول، امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: میرے بھتیجے کو نہ ڈانٹیے۔ اُنہوں نے سچ کہا: یہ منبر انہیں کے باپ کا ہے۔ حافظ الحدیث امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے اسناد صحیح ہیں۔

ایک بار سیدنا امام حسن علیہ السلام خلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے۔ دروازے پر اس قدر رش تھا کہ امیر المومنین کے بیٹے بھی قطار میں کھڑے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر سیدنا امام حسن علیہ السلام واپس ہو لئے۔ کسی نے امیر المومنین حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات بتلا دی کہ امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام آپ سے ملنے آئے لیکن رش کی وجہ سے واپس چلے گئے۔ اس پر سیدنا عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً سیدنا امام حسن علیہ السلام کو مُلاقات کا پیغام بھیجا۔

جب امام حسن علیہ السلام پہنچے تو حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: آپ ملے بغیر واپس کیوں چلے گئے؟ امام عالی مقام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: رش اس قدر تھا کہ آپ کے اپنے بیٹے کو شرفِ مُلاقات نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا اگر آپ اپنے بیٹے سے مل نہیں پا رہے تو میرے لئے کیسے وقت نکالیں گے، اس لئے واپس آ گیا۔

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا عمامہ مُبارک اُتارا اورسرِ انور کی جانب اشارہ کرکے کہا:

''اللہ کے بعد یہ ہمارے سر پر بال کس نے اُگائے ہیں، سوائے آپ کے۔''

یہ ایک تاریخی (Symbolic) فقرہ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آج جو عُمر اور دیگر صحابہ کے پاس فضیلت کے تاج ہیں۔ جو عزت افزائی حاصل ہے۔ یہ سب کی سب امام عالی مقام علیہ السلام کے نانا جان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی وجہ سے تو ہے اس لئے اگر ہم آپ کا اکرام نہیں کریں گے پھر تو بڑے ناشکرے اور بے وفا ہوں گے۔

جنگِ جمل میں جب غلط فہمیوں کی بنیاد پر اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا حضور مولا علی علیہ السلام کے لشکر کے خلاف صف آراء ہوئیں۔تو اس موقع پر سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پُکارا۔ جب یہ دونوں حضرات آئے تو سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے حضرت طلحہ سے فرمایا: طلحہ! وہ وقت یاد کرو۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم ناحق علی سے جنگ کرو گے؟

آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ حضرت طلحہ کو بُھولا ہوا سبق یاد آ گیا۔سر جھکایا اور میدانِ جنگ سے تشریف لے گئے پھر امیر المومنین، امام المتقین حضور

سیدنا ومولا نا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کیا اور ارشاد فرمایا۔اے زبیر! تم اپنے حرم کو تو گھر چھوڑ آئے ۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حرم کو میدانِ جنگ میں لے آئے؟

آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شرمسار ہوئے اور آپ بھی میدانِ جنگ سے تشریف لے گئے ۔ جب یہ صورتحال اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے لشکر نے دیکھی تو اُن پر حقیقتِ حال واضح ہوگئی۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کو اس مکالمے اور حضراتِ طلحہ وزبیر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے میدانِ جنگ سے چلے جانے کے بعد مُنافقین کی سازش کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ دونوں فریقین میں مصالحت ہوگئی ۔مگر رات کے کسی پہر منافقین نے دونوں طرف سے تیر اندازی کر دی ۔جس پر دونوں لشکر آپس میں اُلجھ پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو جب فتح نصیب ہوئی تو آپ علیہ السلام نے سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے بھائی جو آپ ہی کے لشکر میں تھے اُن کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کو بحفاظت پُورے ادب و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ چھوڑ کر آئیں ۔ جب یہ قافلہ تیار ہوگیا۔تو امیر المومنین ، امام المتقین ،خلیفۃ المسلمین حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام خود شہر کے بیرونی دروازے تک اُم المومنین سلام اللہ علیہا کی سواری

کے ساتھ گئے اور انتہائی ادب واحترام کے ساتھ رُخصت کیا۔

(حضرت علی تاریخ وسیاست کی روشنی میں از ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری)

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا بعد ازاں ارشاد فرمایا کرتی تھیں ۔:'' کاش ! حضرت علی علیہ السلام سے جنگ سے تیس سال قبل میرا وصال ہوجاتا۔''

قارئین کرام! احترام اہلِ بیت کی یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے۔تاریخ و سیر کی کتابیں ایسے سینکڑوں واقعات سے بھری پڑی ہیں ۔ میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔اللہ رب العزت خلفائے رسول پر ابدالآباد تک اپنی عنایت کی بارش کرے۔(آمین)

قُرآنِ مجید اور شعائرِ اسلام سے محبّت

تمام خلفائے راشدین قرآن مجید فرقانِ حمید اور شعائرِ اسلام سے محبت کرتے تھے۔ بخاری نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے: جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے طلب فرمایا: میں جس وقت بارگاہِ خلافت میں پہنچا تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا: یہ عُمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ معرکۂ یمامہ میں اکثر حافظوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ مجھے اس سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں حفاظ کی کمی سے قرآنِ کریم نہ اُٹھ جائے اس لئے مناسب ہے کہ قرآن کریم کو یکجا کرلیا جائے۔

میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دیا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں کیا۔ اسے میں کیسے کروں؟ جس کا اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ بخدا یہ کارِ خیر ہے اور پھر اس کارِ خیر کی انجام دہی پر وہ مسلسل اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ منجانب اللہ میرا شرح صدر ہوا اور میں نے ان کی رائے سے اتفاق کرلیا اور اس پوری مدت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش بیٹھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گفتگو سُنتے رہے۔

اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ (زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا: تم عقلمند نوجوان ہو۔ تم پر کسی تہمت کا بھی

الزام نہیں ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کاتبِ وحی بھی رہ چکے ہو۔ اس لئے پوری تلاش کے ساتھ قرآنِ کریم کو ایک جا اکٹھا کر دو۔ چُنانچہ مجھے (زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قرآن کریم اکٹھا کرنے کا حکم ایک نہایت ہی امرِ عظیم معلوم ہوا۔ بخدا اگر کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دینے کا حکم ہوتا تو وہ بہت آسان تھا بہ نسبت اس کے کہ میں یہ امرِ عظیم انجام دوں۔ غرضیکہ میں نے معروضہ پیش کیا کہ جس کام کو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں کیا وہ آپ دونوں حضرات کس طرح کر سکتے ہیں؟

جس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قرآنِ کریم یکجا کر لینے ہی میں بھلائی ہے۔ میں برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر و عمر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی طرح مجھے بھی اس کی اہمیت محسوس ہوگئی۔ پھر میں نے آیاتِ قرآن جمع کرنے کی خاطر کاغذ و کپڑوں کے ٹکڑے، بکروں اور اونٹوں کے شانوں کی ہڈیاں اور درختوں کے پتے تلاش کر کے جمع کیے۔ پھر حفاظ کی مدد سے قرآن مجید جمع کیا۔ میری اس کوشش میں سورۃ توبہ کی دو آیات ''لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ '' سے آخیر تک حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے حاصل ہوئیں۔ غرضیکہ قرآنِ کریم یکجا کتابت کر کے خلیفۃ الرسول، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیا جو تاحیات آپ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد اُم المومنین سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا کے پاس محفوظ رہا۔

خلیفہ سوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المومنین سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا کے پاس محفوظ مصحف کی سات نقلیں کروائیں اور مکہ معظّمہ، مدینہ طیبہ، یمن، شام، بصرہ، بحرین اور کوفہ میں ایک ایک نسخہ محفوظ کیا گیا۔

مصحفِ عثمانی کے ان نسخوں میں سے اس وقت چار نسخے دُنیا میں محفوظ ہیں:

(۱) مسجدِ نبوی کا نسخہ (۲) آثارِ نبویہ استنبول

(۳) کتاب خانہء مصر (۴) کتاب خانہ ماسکو

یہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ آپ نے جمیع اُمت کو ایک مصحف پر اکٹھا کیا۔ اسی لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''جمع جامع القرآن'' کہا جاتا ہے۔

امیر المومنین، امام المتقین حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روحانی و باطنی اور علمی خلیفہ بھی ہیں۔ اس لئے آپ علیہ السلام کے ذریعہ سے جمیع اُمت کو تفسیر کا تحفہ ملا۔ خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام کو جب بھی کوئی علمی مشکل پیش آتی تو وہ آپ علیہ السلام سے ہی رجوع کرتے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ کے بارے میں فرمایا کرتے: ''ہم اُس مشکل مسئلہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جس کے حل کرنے کے لئے علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) نہ ہوں۔'' قرآن مجید فرقانِ حمید سے آپ کو کس

قدر محبت اور گہری وابستگی تھی اس کا اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل حقائق سے ہوگا۔
چنانچہ تاریخ الخلفاء میں ہے: سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی تفسیر قرآن بڑی ضخیم ہے۔ جسے میں نے (حافظ جلال الدین السیوطی) اپنی تفسیر مسند میں باسناد متعلقہ بیان کیا ہے۔ ابنِ سعد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زبانی لکھا ہے بخدا جتنی آیاتِ قرآنی نازل ہوئی ہیں ان سب کا مجھے علم ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے میں، کہاں اور کس طرح نازل ہوئی۔ اللہ کا بے حد احسان ہے کہ اُس نے مجھے قلبِ سلیم، عقل وشعور اور قوتِ گویائی عنایت کی ہے۔

ابنِ سعد وغیرہ نے ابی طفیل کے حوالہ سے سیدنا علی المرتضیٰ (علیہ السلام) کا یہ قول بھی لکھا ہے:

> ''قرآن کی بابت مجھ سے پوچھو میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی یا دن میں۔ میدان میں اُتری یا پہاڑ پر۔''

سبحان اللہ! فداك ابی و اُمی یا علی!

ابنِ ابی داؤد نے ابنِ سیرین کی زبانی لکھا ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کچھ تاخیر سے آئے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: کیا آپ میری خلافت کو ناپسند کرتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً کہا: آپ کی خلافت و امارت

سے مجھے کسی قسم کی ناپسندیدگی وانکارنہیں ہے لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآنِ کریم کوترتیب کے ساتھ جمع نہ کرلوں گا اُس وقت تک پنج وقتی نماز کے سوا کسی دوسرے کام کومستعدی سے نہ کروں گا۔

شعائرِ اسلام سے خلفائے راشدین کوکس قدر محبت تھی اس کا اندازہ آپ کومندرجہ ذیل واقعات سے ہوگا۔

ذہبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کی خبر پھیلی تو عرب کے اکثر قبیلے مُرتد ہوگئے اور ادائیگی زکوٰۃ سے پہلوتہی کرنے لگے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ کرنے سے روکا۔ جس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لوگ معمولی سی رقم یا بکری کا بچہ جوعہدِ رسالت مآب میں دیا کرتے تھے اگر اداء نہ کریں گے تو بخدا اس کی وصولیابی کے لئے میں جنگ کروں گا۔ یہ سُن کر حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ کس بنیاد پر جنگ کریں گے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما چکے ہیں۔ لوگوں کے کلمہ طیبہ پڑھنے تک میں ان سے جنگ کروں گا اور جس نے لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا تو اس کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور میں ان کے حقوق ادا کروں گا۔ باقی محاسبہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا: جوکوئی نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا تو میں اُس سے لازماً جنگ کروں گا کیونکہ زکوٰۃ بیت المال کا حق ہے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق پر جنگ کی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اب مجھے معلوم ہوگیا کہ بخدا آپ حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جنگ کے لیے آپ کے دل کو آگاہ کر دیا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینۃ الرسول سے اِس قدر محبت تھی کہ آپ دُعاؤں میں فرمایا کرتے کہ اے بارِ خُدایا مجھے شہرِ نبی میں موت دینا۔

تاریخ الخلفاء میں ہے: احمد نے مغیرہ بن شعبہ کی زبانی لکھا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس زمانہ میں محصور تھے میں نے ان کے پاس جا کر کہا آپ امیر المومنین ہیں اور آپ موجودہ مصائب میں مبتلاء ہیں میں تین مشورے دیتا ہوں ان میں سے ایک اگر آپ قبول فرمائیں تو مناسب ہوگا۔

اول یہ کہ دُشمنوں سے مقابلہ فرمایئے۔ آپ کے ساتھ عوام کی قوت بھی ہے نیز آپ حق پر ہیں اور دُشمن باطل پر ہے۔

دوسرا یہ کہ موجودہ دروازے کے علاوہ جہاں دُشمن موجود ہیں ہم ایک اور دروازہ بنا دیتے ہیں اس کے راستہ آپ اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ معظّمہ تشریف لے جایئے کیونکہ حرمِ کعبہ میں وہ خون ریزی نہیں کرسکیں گے۔

تیسرا یہ کہ آپ شام کا ارادہ فرمایئے۔ یہ سُن کر سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ ہو کر میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں اُمتِ مسلمہ کی خون ریزی کروں۔ مکہ معظّمہ اس لئے نہیں جاسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی میں نے خود سنا ہے کہ جو قریشی حرمِ مکہ

میں خون ریزی کرائے گا اور ظلم وستم کرانے کا سبب بنے گا اس پر آدھی دُنیا کے باشندوں کا عذاب ہوگا۔ رہا شام جانا تو یہ اس لئے ناممکن ہے کہ مقامِ ہجرت اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسائیگی نہیں چھوڑ سکتا۔

قارئین کرام! سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوابات بار بار پڑھیے آپ کو خلفائے رسول کی شعائرِ اسلام سے محبت کا ادراک ہوگا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان دینا گوارا کرلیا۔ مگر اسلام، شہرِ نبی اور مسلمانوں پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ آپ پر رحمتیں اور سلامتی ہوں۔ (آمین)

امیر المومنین، امام المتقین، اسد اللہ الغالب حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو دیارِ رسول سے اس قدر محبت تھی اور اس کے تقدس کا اتنا خیال تھا کہ آپ نے تمام تر شورش اور فتنوں کو شہرِ نبی سے دُور رکھنے کے لیے دار الخلافہ کو مدینہ سے کوفہ منتقل کردیا۔ اسی طرح سیدنا امام حسن علیہ السلام نے بھی حجازِ مقدس اور مدینۃ الرسول کے تقدس وحُرمت کا بے حد خیال رکھا۔ آپ چاہتے تو بڑی آسانی سے حجازِ مقدس، مدینۃ المنورہ اور یمن کے علاقوں اور مسلمانوں کو (Involve) کرکے معاویہ بن ابی سفیان کو مغلوب کرسکتے تھے کیونکہ عراق کے علاوہ ان سب علاقوں کے مسلمان بھی آلِ رسول کے ساتھ تھے بلکہ اہلِ عراق اور ان میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔

دوسری طرف معاویہ کے ساتھ تو فقط شام تھا وہ بھی جھوٹے

پروپیگنڈے کی وجہ سے وقتی طور پر۔۔۔۔۔مگر امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام بھی اپنے بابا جان اور خالو کی طرح ان مقدس مقامات کو جنگ کے شعلوں سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔ظاہر ہے کہ ان نسبتوں کا خیال وہی رکھ سکتا ہے، جس نے اللہ اور اُس کے رسول سے محبت ہو۔

جس کی خوبُو میں عشقِ رسول کی مہک ہو۔

جس کا خمیر محبتِ الٰہی سے اُٹھا ہو۔

جس کے سامنے دُنیا کے سارے خزانے اور حکومتیں ہیچ ہوں۔

جسے فکرِ دُنیا نہ ہو بالکل فکرِ عقبیٰ ہو۔

جسے اپنی نہیں بلکہ اُمت کی فکر ہو۔

جو تن آسانی کا نہیں بلکہ شہادت کا قائل ہو۔ جسے اپنی نہیں بلکہ اُمت کی فکر ہو۔ یہی وہ عظیم ہستیاں ہیں جنہیں تائیدِ ایزدی ہمیشہ حاصل رہی اور وہ بارگاہِ رسالت کے بھی ہمیشہ منظورِ نظر رہے۔انہیں کی بدولت تو آج اسلام کا سر فخر سے بلند ہے۔انہوں نے ہی تو ساری دُنیا کو سکھلایا کہ عدل وانصاف کا نظام کیا ہوتا ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں۔یہی تاقیامت ہمارے رول ماڈلز ہیں۔انہی کی وجہ سے کل بروزِ محشر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر فخر سے بلند ہوگا۔ پُرانے ادوار میں نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اُمتوں میں بگاڑ پیدا ہو جاتا تھا۔اور اُس وقت تک اصلاحِ احوال کی کوئی صُورت نظر نہیں آتی تھی جب تک کہ کوئی اور نبی نہ بھیج دیا جاتا۔

خلفائے رسول نے ''لا نبی بعدی'' والے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد اپنے اپنے ادوار میں پیغمبرانہ مشن کی تکمیل کی ہے اور آنے والے ہر اچھے اور عادل حکمران کے لئے ایک پوری تحریک چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب رحمتیں اور برکتیں ہوں ان پاکباز ہستیوں پر۔ (آمین)

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خلفائے راشدین اتباعِ رسول کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔ سُنت کی حفاظت اور احکامِ نبوی پر عمل درآمد اُن کا شعار تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا لالچ یا خوف بھی اُنہیں اُسوۂ رسول کی پیروی سے نہیں روک پاتا تھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کی وجہ سے اُن کا ہر قدم اتباعِ رسول میں اُٹھتا تھا۔ وہ خالی خولی زبان سے محبت اور غلامی کے نعرے لگانے والے لوگ نہیں تھے بلکہ اُن کی زندگی کی ہر ہر سانس اور ہر ہر لمحہ سُنت کی پیروی اور حفاظت میں بسر ہوتا تھا اُن کے راست رو اور ہدایت یافتہ ہونے کی یہی سب سے بڑی وجہ تھی۔ وہ راہِ عشق کے مُسافر تھے۔ چُوں چرا کی بجائے وہ مان لینے پر یقین رکھتے تھے اُنہیں اتباعِ رسول کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہ پڑتی تھی بلکہ حضور کا عمل اُن کے لئے سب سے بڑی حُجت ہوتا تھا۔ اُنہوں نے تو راہِ یار کے قدم قدم کو اپنی محبت و اتباع سے یادگار بنا دیا اُن کی حالت تو یہ تھی:

محمد محمد پکیندے گزر گئی
حلیمہ دی ڈاچی دا کر کے تصور
کھرے ڈاچیاں دے چُمیندے گزر گئی
خُدا کو ڈِٹھا اسیں محمد دے اوہلے
محمد کو دکھیندے دکھیندے گزر گئی
فریدِ زماں شفیعِ دوعالم
تہاڈا اسمِ اعظم جپیندے گزر گئی

بیہقی وابن عساکر نے لکھا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ طیبہ پڑھ کر قسم کھائی اور کہا اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ نہ ہوتے تو روئے زمین پر کوئی اللہ کی عبادت کرتا نظر نہ آتا۔ میں نے یہ جُملہ تین مرتبہ کہا تو لوگوں نے کہا: ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ کیا کہہ رہے ہو۔جس پر میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو سات سوفوجیوں کے ساتھ شام کی جانب روانہ کیا۔

ابھی وہ مقام ذی خشب میں پہنچا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ اور مدینہ کے گردونواح کے عرب مُرتد ہونے لگے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ الرسول سے کہا: آپ اس لشکر کو واپس طلب فرمالیں تو مناسب ہے کیونکہ اطرافِ مدینہ میں عرب مُرتد بن رہے ہیں۔جس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں

اس لشکر کو واپس نہیں بلاؤں گا جس کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روانہ فرمایا ہے اور اس پرچم کو سرنگوں نہیں کروں گا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لہرایا ہے۔ غرضیکہ اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مزید آگے بڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔

لشکرِ اُسامہ جس مُرتد قبیلے کے پاس سے گزرتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا اور کہتا اگر ان میں قوت نہ ہوتی تو یہ ایسے وقت حملہ آور نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ لشکرِ اُسامہ نے مملکت روم میں قدم رکھا اور دُشمنوں سے خوب جنگ ہوئی۔ نتیجۃً فتح پا کر اور اسلام کو غالب کر کے یہ لشکر صحیح سلامت واپس آیا۔ بیہقی نے عقبہ بن عامر کی زبانی لکھا ہے کہ عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ نے یزید کے ہاتھ سنان کا سر کاٹ کے شام کے راستہ بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کٹا ہوا سر دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا یہ کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ اس پر خلیفۃ الرسول سے عقبہ نے کہا: اے خلیفہ! یہ ظالم بھی تو ہمارے ساتھ اسی قسم کی بدسلوکی کرتے ہیں جس پر ارشاد ہوا کہ عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ دونوں نے اہلِ فارس و روم کی پیروی کی ہے۔ آئندہ سے کسی کا سر کاٹ کر ہمارے پاس روانہ نہ کیا جائے اور ہم سب کو قرآنِ کریم و احادیثِ نبوی کی پیروی کرنا چاہیے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے:

عکرمہ کا بیان ہے: سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اگر آپ اچھی غذا نوش

فرمائیں تو امرِ حق کی اجرائی میں آپ مزید طاقتور ہو جائیں گے۔

فرمایا: کیا سب لوگوں کی یہی رائے ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں تو ارشاد فرمایا: آپ کی نصیحتوں کی میں قدر کرتا ہوں لیکن میں نے اپنے دوستوں (حضور سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خاص دستور کا پابند دیکھا ہے۔ اگر میں ان کے دستور کے موافق کار بند نہ ہوں تو ان کی منزل حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت عُتبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کرنے کے بعد لوگوں میں بیان کیا جس میں ارشاد فرمایا: اما بعد! مجھ پر خلافت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے جسے میں نے قبول کر لیا ہے۔ غور سے سُنو! میں حضور سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر چلوں گا اور اپنے پاس سے گھڑ کے نئی باتیں نہیں لاؤں گا۔

توجہ سے سُنو! اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنت کے بعد میرے اُوپر تمہارے تین حق ہیں پہلا حق یہ ہے کہ جس چیز ی میں آپ لوگ متفق ہیں اور اس کا ایک راستہ مقرر کر لیا ہے اس میں اپنے سے پہلوں کے طریقہ پر چلوں گا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین) دوسرا حق یہ ہے کہ جس چیز میں آپ سب لوگوں نے مل کر کوئی راستہ مقرر نہیں کیا ہے اس میں خیر والوں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلا اور آپ کے خلفاء) کے راستے پر چلوں گا اور تیسرا حق یہ ہے کہ آپ لوگوں سے اپنے ہاتھ روکے رکھوں آپ لوگوں کو کسی قسم کی

سزا نہ دوں۔ ہاں آپ لوگ ہی خود کوئی ایسا کام کر بیٹھیں جس پر سزا دینا میرے ذمہ واجب ہوا تو یہ الگ بات ہے۔

(اخرجہ ابن جریر طبری)

امیر المومنین، امام المتقین، حضور سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے ایک بار سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''اے امیر المومنین! اگر آپ کی خواہش ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملیں تو آپ اپنی اُمیدیں مختصر کریں اور کھانا کھائیں لیکن پیٹ نہ بھریں اور لُنگی بھی چھوٹی پہنیں (بڑی سُنت کے خلاف اور تکبر کی علامت قرار دی گئی ہے) اور کرتے پر پیوند لگائیں اور اپنے ہاتھ سے جوتی گانٹھیں۔ اس طرح کریں گے تو اُن دونوں سے جاملیں گے۔

(اخرجہ البیہقی کذا فی الکنز)

سبحان اللہ! کس قدر خوبصورت اتباعِ رسول کا درس ہے جو حضور مولا علی علیہ السلام نے خلیفۃ المسلمین کو دیا۔ اور پھر ساری زندگی کتنی عمدگی سے دونوں حضرات نے ان سنتوں کی حفاظت کی بلا شبہ آپ کی زندگیاں قدم قدم اتباعِ رسول اور حفاظتِ سُنتِ رسول میں گزریں۔

حضور سیدنا امام حسن علیہ السلام ظاہری طور پر تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ تھے۔ ہی۔ باطنی طور پر بھی آپ علیہ السلام کا کردار اس قدر اُجلا اور

پاکیزہ تھا کہ دوست تو دوست، دُشمن بھی آپ کی اعلیٰ ظرفی اور خندہ پیشانی دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ آپ علیہ السلام واقعی فرزندِ رسول ہیں۔ آپ کی سیرت کے اس طرح کے واقعات کا گزشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

وباللہ التوفیق

خلافتِ راشدہ کے ان چند اوصافِ جمیلہ کے تذکرہ کے بعد اب ہم ملوکیت وستم رانی کا ذکر کرتے ہیں مگر یہ خیال رہے کہ ملوکیت کی تمام تر سیاہ کاریاں اول تو میرے لئے احاطہء تحریر میں لانا ممکن نہیں اور دوم یہ کہ یہ کتاب اس قدر طوالت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ملوکیت کے ضمن میں اس کتاب میں صرف بنواُمیہ کے پہلے بادشاہ یعنی معاویہ ابن ابی سفیان کا ذکر ہوگا۔ چونکہ کتابِ ھٰذا سیدنا امام حسن علیہ السلام کی سیرت کے متعلق ہے اور آپ کا واسطہ بنوامیہ کے پہلے حکمران سے ہی پڑا۔ اس لئے ملکِ اول کے بارے میں ہی گفتگو کی جائے گی۔

قارئین محترم! امامِ عالی مقام سیدنا ومولانا امام حسن علیہ السلام کی خلافت سے دستبرداری کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ کے رحمتوں بھرے دور کا اختتام ہوا۔ مگر یہ اختتام صرف ظاہری ہے۔ باطنی طور پر خلفائے راشدین کی سیرت کے نقوش اِس قدر گہرے ہیں کہ ہر دور میں انہوں نے حکمرانوں اور ایوانِ عدل میں بیٹھے لوگوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑا ہے اور اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اِن سے استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ بعد میں آنے والے بعض مُسلمان حکمرانوں نے اور

کچھ غیر مسلموں نے بھی اپنی اپنی اقوام کے لئے فلاح و بہبود کی کوششیں ان نقوش کی روشنی میں کی ہیں ۔ اس ضمن میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور بڑا ہی یادگار اور بہترین ہے ۔ خلفائے راشدین کے طرزِ عمل پر چلنے کی وجہ سے اُنہیں عُمرِ ثانی کہا جاتا ہے ۔

دوسری طرف یورپ کے کچھ مما لک میں کئی برسوں سے بہت سے اسلامی قوانین نافذ ہیں جن میں سے Umer's law ایک مثال ہے گو غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اُن کا یہ استفادہ صرف دُنیاوی حد تک ہے ۔

اور پھر آخری دور میں سیدنا امام مہدی علیہ السلام کا دور تو بالیقین امیر المومنین ، امام المتقین حضور سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام اور سیدنا امام حسن علیہ السلام کے ادوارِ خلافت کا ہی عکاس اور تسلسل ہوگا ۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی امام مہدی علیہ السلام کے لشکر میں شامل فرمائے ۔ (آمین یارب العالمین)

(وما توفیقی الا باللہ)

آغازِ ملوکیت

ملوکیت کے پُرفتن اور پُرآشوب دور کا آغاز معاویہ ابنِ ابی سفیان کی تخت نشینی سے ہوا۔ ملوکیت کی صحابۂ کرام کے نزدیک تعریف یہ ہے:

"ان الامارة مائوتمر فیها وان الملك ماغلب علیه بالسیف امارت۔"

خلافت وہ ہے جسے قائم کرنے کے لیے مشورہ کیا گیا ہو۔ اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔

(طبقاتِ ابنِ سعد، خلافت وملوکیت)

معاویہ ابنِ ابی سفیانے اپنے بارے میں کہا: ''اناأول الملوك'' میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں۔

(خلافت وملوکیت)

ابنِ تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا:

''معاویہ پہلے بادشاہ تھے۔''

البدائیہ والنہائیہ میں ہے:

"والسنة ان یقال له ملك ولا یقال له خلیفة الحدیث سفینة الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکاعضوضا۔"

سُنت یہی ہے کہ معاویہ کو بادشاہ کہا جائے خلیفہ نہ کہا جائے بوجہ حدیث سفینہ کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر کاٹنے والی بادشاہت ہوگی۔''

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

"واول ملوك الاسلام معاويه بن ابی سفيان۔"

اسلام میں پہلا بادشاہ معاویہ بن ابی سفیان تھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

" انقضت الخلافة بشهادة علی کرم الله وجهه وخلع الحسن ومعاوية كان علی سيرة الملوك لا علی سيرة الخلفاء۔"

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت امام حسن (علیہ السلام) کی دستبرداری سے خلافت ختم ہوگئی اور معاویہ بادشاہوں کی سیرت پر تھا۔ خلفائے راشدین کی سیرت پر نہ تھا۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

شرح عقائد میں ہے:

"فمعاوية ومن بعدهم لم يكونوا خلفاء بل ملوكا۔"

پس معاویہ اور ان کے بعد حکمران خلفاء نہیں تھے، بلکہ بادشاہ و

امراء تھے۔

(شرح عقائد از علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

حضرت علی (علیہ السلام) اور حضرت امام حسن علیہ السلام خلفائے راشدین ہیں اور ان کے بعد بادشاہ اور امیر ہوئے۔

(بذل المجہود)

مُلا علی قاری علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:

"واول ملوك المسلمين معاويه"

مسلمانوں کا پہلا بادشاہ معاویہ تھا۔

(شرح فقہ اکبر)

شیخ راضی آلِ یٰسین لکھتے ہیں:

ابنِ ابی شیبہ نے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

"واول الملوك معاوية۔"

معاویہ پہلا بادشاہ تھا سیدنا عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ معاویہ خلیفہ نہیں تھا۔

(صُلح حسن)

اہلِ مدینہ کے نام اپنے اولین خطاب میں معاویہ ابنِ ابی سفیان نے کیا کہا؟ ملاحظہ فرمائیے:

''حمد وصلوٰۃ کے بعد اللہ کی قسم! میں تمہاری حکومت کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ تم میرے برسرِ اقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور اسے پسند نہیں کرتے۔ اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کر کے اسے لیا ہے۔

"وان لم تجدونی اقوم بحقکم کلہ فارضوا منی ببعضہ"

اور اب اگر تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔

(البدائیہ والنہائیہ۔خلافت وملوکیت)

اس خطاب میں چُھپی دھمکی اور تحکمانہ انداز بڑا واضح ہے۔ قارئین کرام! ایک طرف یہ دھمکی آمیز بیان غور سے پڑھیں اور دوسری طرف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا خطاب پڑھیں۔آپ پر خلافت وملوکیت کا فرق واضح ہو جائے گا۔

اِس دھمکی کو آپ نے پڑھ لیا اب ذرا تاریخ الخلفاء میں موجود اس حدیث مبارکہ کو دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھیں۔

''مُسلم نے لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: باشندگانِ مدینہ کے ڈرانے والے کو اللہ تعالیٰ ڈرائے گا اور اس ڈرانے والے پر اللہ تعالیٰ ،فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

(تاریخ الخلفاء)

فقیر معاویہ ابن ابی سفیان کے اس بیان پر اس سے زیادہ تبصرہ نہیں کرسکتا۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالیاں دلوانے والا قابلِ احترام ہے؟

معاویہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی جو سب سے بڑی اور قبیح ترین رسم شروع ہوئی وہ یہ تھی کہ سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو برسرِ منبر گالیاں دی جاتی تھیں۔ ابوالفداء عماد الدین بن اسماعیل شافعی الملک المؤید اپنی ''تاریخ المختصر فی اجنار البشر'' میں لکھتے ہیں:

" كان معاوية وعماله يدعون لعثمان فى الخطبة يوم الجمعة ويسبون علياً ويقعون فيه"

معاویہ اور اس کے گورنر جمعہ کے خطبہ میں حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حق میں دُعا کرتے تھے اور حضرت علی (علیہ السلام) پر سب وشتم کرتے اور ان کی بدگوئی کرتے تھے۔

مزید لکھتے ہیں:

"كان خلفاء بنی اُمية يسبون عليا رضی الله تعالیٰ عنه من سنة احدیٰ واربعين وهی السنة اللتی خلع الحسن فيها نفسه من الخلافة الی اول سنة تسع و تسعين فلما ولی عمر ابطل ذالك"

خلفائے بنی اُمیہ نے ۴۱ ہجری سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کا آغاز کیا اور یہ وہ سال ہے جب سیدنا امام حسن علیہ السلام خلافت سے دستبردار ہوئے ۔ یہ سلسلہ ۹۹ہجری کے اوائل تک جاری رہا ۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ ہوئے تو اُنہوں نے اس کا خاتمہ کیا۔

(المختصر فی اجناء البشر)

معاویہ ابن ابی سفیان ایسے لوگوں کو گورنر مقرر کرتا تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور آلِ رسول پر سب وشتم کریں۔ چنانچہ ابنِ حزم اُندلسی اپنے رسالہ ''اسماء الخلفاء والولاۃ'' میں لکھتے ہیں:

"كان بنو اُمية يستعملون من لعن علی بن ابی طالب (رضی الله تعالیٰ عنه) ولعن بنيه الطاهرين بنی الزهراء وكلهم علیٰ هذا حاشا عمر بن عبدالعزيز ويزيد بن وليد فانهما لم يستجيزه واذالك۔"

بنواُمیہ نے ایسے گورنر مقرر کئے جو علی بن ابی طالب (علیہ السلام) اورآپ کے صاحبزادگان بنی فاطمۃ الزہرا (علیہم السلام اجمعین) پرسب وشتم کرتے تھے۔ان سب کا یہ ہی حال تھا۔ سوائے عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن ولید کے ان دونوں نے اس لعن کی اجازت نہیں دی۔

محقق ابوزھرہ مصری اپنی تاریخ المذاہب الاسلامیہ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ اور اس کے جانشینوں کا دور سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شان اور قدرو منزلت میں مزید اضافے کا باعث بنا کیونکہ معاویہ اور اس کے جانشین (سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک آدھ اور کے) برسرِ منبر امیر المومنین، امام الھدیٰ (علیہ السلام) کوسب وشتم کرتے تھے۔اس پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معاویہ کے سخت خلاف ہوگئے اور اُسے بُرا بھلا کہا۔

"لان معاویة سن سنه سیئة فی عهده وفی من خلفه من الامویین حتیٰ عهد عمر بن عبدالعزیز وتلك السنة هی لعن امام الهدیٰ علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه عقب تمام خطبة۔"

کیونکہ معاویہ نے اپنے زمانے میں ایک بدعتِ سیئہ قائم کی جو اس کے بعد اس کے جانشینوں نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے عہد تک جاری رکھی۔یہ بدعت یہ تھی کہ

امام الھدیٰ (علیہ السلام) پر خطبہ جمعہ کے آخر میں لعنت کی جاتی تھی۔

فقیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر سب وشتم کرنے والے اِن تمام بدبختوں کا جواب قرآن مجید فرقانِ حمید کے ان الفاظ کے ساتھ دیتا ہے:

لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ۝٦١

(سورۃ آلِ عمران آیت ۶۱)

کہاں ہیں وہ لوگ! جو ہر جمعہ کے خطبہ میں ''کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔'' والی حدیث پڑھتے ہیں؟

کیا یہ حدیث مبارکہ ۱۴۰۰ سال بعد بریلویوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ارشاد کی گئی تھی؟

کیا اس حدیثِ مبارکہ کا اطلاق مُخاطبین اول پر نہیں ہوگا؟

معاویہ اور اُس کے بیٹے یزید کے گُن گانے والے غور کریں، وہ کہاں بھٹکے پھرتے ہیں؟

انشاءاللہ العزیز! یہ کتاب ضربِ حیدری کی مانند بدمذہبوں کے مذہب اور اُن کے خود تراشیدہ بُتوں کو پاش پاش کردے گی (بفضلہٖ تعالیٰ) اگلے اوراق میں معاویہ کی اور بدعات کا بھی ذکر ہوگا۔

چُنانچہ المذاہب الاسلامیہ میں ہے کہ معاویہ کے اس طرزِ عمل پر تمام صحابۂ کرام اس کے شدید ترین مخالف ہوگئے حتیٰ کہ اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ

(سلام اللہ علیہا) نے معاویہ کو خط لکھا اور اسے اس فعل سے باز رہنے کو کہا۔ اس خط میں اُم المومنین (سلام اللہ علیہا) نے لکھا کہ تم لوگ اللہ اور اُس کے رسول پر برسرِ منبر لعن طعن کرتے ہو (ان الفاظ کو بار بار غور سے پڑھیئے آپ پر کردارِ معاویہ کی پرتیں کُھلتی چلی جائیں گی) اور یہ اس طرح کہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) پر اور جنہوں نے اُن سے محبت کی اُن پر لعنت بھیجتے ہو۔

"واشهد ان رسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلم احبه۔"

اور میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت علی (علیہ السلام) محبوب تھے۔

قارئینِ کرام! سیدہ اُم سلمہ سلام اللہ علیہا نے معاویہ سے یہ کیوں کہا کہ تم "اللہ اور اُس کے رسول پر لعن طعن کرتے ہو۔" اس کی وجہ درج ذیل احادیث ہیں ان احادیثِ مبارکہ کو سیدہ اُم سلمہ سلام اللہ علیہا نے خود اپنے کانوں سے سماعت فرمایا تھا۔ ان احادیثِ مبارکہ کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام حاکم علیہ الرحمۃ نے المستدرک میں اور حافظ الحدیث امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔

اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ (سلام اللہ علیہا) کا بیان ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے علی (علیہ السلام) سے محبت کی تو گویا اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے

محبت کی تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اور اس کے برعکس جس نے علی (علیہ السلام) سے عداوت رکھی تو گویا اُس نے مجھ سے دُشمنی رکھی اور جس نے مجھ سے بُغض وحسد و دُشمنی رکھی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دُشمنی کی۔

اُم المومنین سلام اللہ علیہا سے روایت کردہ دوسری حدیثِ مبارکہ میں ہے: آپ فرماتی ہیں میں نے خود اپنے کانوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے سُنا:

"من سب علياً سبني۔"

''جس نے علی (علیہ السلام) کو گالیاں دیں اُس نے مجھے گالیاں دیں۔''

قارئین کرام! اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ سلام اللہ علیہا نے فیصلہ سُنا دیا اب بھی جو معاویہ اور اُس کے بیٹے کے گُن گانا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنا نبی بدل لے۔ کیونکہ ہمارا یہ ایمان و ایقان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دینے اور دلوانے والا ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا۔

حقائق اور بھی ہیں۔ آیئے چند اور حوالوں کا ذکر کرتے ہیں:

شیخ راضی آلِ یاسین اپنی کتاب صلحِ حسن میں بحوالۂ کتاب الاحداث از علی بن محمد بن ابی یوسف ابوالحسن المدائنی ذکر کرتے ہیں:

معاویہ نے اپنے گورنروں اور حاکموں کو کہا کہ "یلعنون علیاً

ویبرؤن منہ ویقعون فیہ وفی اھل بیتہ'' اور اپنے خاص الخاص سے کہا ''لا تترك شتم علی'' اے مغیرہ شتمِ علی کبھی ترک نہ کرنا (کیونکہ مذہبِ معاویہ میں یہ فرضِ عین ہے۔)

(صلح الحسن از شیخ راضی)

ان خصوصی تاکیدوں کا نتیجہ یہ تھا کہ معاویہ کے مقرر کردہ گورنرز ایک سے بڑھ کر ایک اور خباثت کے اوپر خباثت تھے اور معاویہ کو خوش رکھنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر سیدنا علی المرتضیٰ (علیہ السلام) پر سب وشتم کرتے۔ چُنانچہ آپ تاریخ وسیر کی کوئی سی بھی کتاب اُٹھا کر دیکھ لیں آپ کو معاویہ کے مقرر کردہ گورنرز کی ہرزہ سرائی اور خباثتِ باطنی کا ثبوت بلاتفریق یکساں طور پر ملے گا۔

صُلحِ حسن میں ہی مزید ہے:

''زیاد (لعین) تو لوگوں کو کوفہ میں محل کے دروازے پر جمع کرتا اور ان کو کہتا کہ حضرت علی (علیہ السلام) پر لعنت کرو۔ (معاذ اللہ) جو اُن میں سے انکار کرتا اُس کو تلوار سے قتل کر دیتا۔ بصرہ میں معاویہ کا گورنر بسر بن ارطاۃ تھا وہ منبر پر خطبہ دیتے وقت سیدنا علی المرتضیٰ (علیہ السلام) کو سب وشتم کرتا تھا اور مدینہ منورہ میں معاویہ کا گورنر مروان بن حکم (لعین) تھا یہ منبر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر جمعہ کے دن خطبہ میں سب وشتم کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی امیر المومنین، امام المتقین حضور سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ

علیہ السلام پر اور جمیع اہلِ بیت اطہار پر بے حد و بے حساب رحمتیں اور سلامتی ہوں اور اُن کا ذبین پر جو آپ علیہ السلام پر سب وشتم کرتے تھے اُن پر بے شمار لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ایسے گورنرز پر اور ایسے گورنرز مقرر کرنے والے پر۔

علامہ ابنِ حجر مکی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے:

"و کان الحسن یعلم ذالك ولا یدخل المسجد الا عند الاقامة"

امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) یہ جانتے تھے کہ مروان بن حکم لعین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو گالیاں دیتا ہے۔ اس لئے آپ مسجد نبوی میں اقامت سے پہلے تشریف لے کر نہ جاتے۔ مروان ملعون اپنے اس گندے کرتوت سے راضی نہ ہوتا تو پھر سیدنا امام حسن علیہ السلام کے گھر آدمی بھیجتا تا کہ وہ آپ کے باپ اور آپ کو زبردست گالیاں دے۔ (معاذ اللہ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مروان علیہ اللعنۃ کو بُرا کہنا چاہیے اور اس سے دل بیزار رکھنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے انتہائی بدسلوکی کی حضرت امام حسن اور اہلِ بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان سے رکھتا تھا اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے۔

(فتاویٰ عزیزیہ)

شاہ صاحب نے انتہائی صائب اور بہترین بات کہی مگر جو اصل فساد کی جڑ تھا۔ جس نے مروان جیسے گورنرز مقرر کیے تھے اور جس کی آشیرباد سے پہلے

مروان جیسے لعینوں کو کبھی جرأت نہ ہوئی تھی کہ وہ آلِ رسول پر سب وشتم کریں حالانکہ مروان پہلے بھی تو مدینہ ہی میں تھا۔جس بدبخت نے یہ لائسنس مروان بن حَکم کو دیا اُس کے بارے میں شاہ صاحب ودیگر خاموش ہیں ۔۔۔کیوں؟ مروان کو بُرا سمجھنا چاہیے۔ٹھیک مگر کیا اصل مجرم کو اچھا سمجھنا چاہیے۔۔۔۔۔۔؟

کیا اُس کی شان میں جلسے کرنے چاہئیں۔۔۔۔۔۔؟

کتابیں لکھنی چاہئیں۔۔۔۔۔۔؟

یا اُس کا یوم منانا چاہیے۔۔۔۔۔۔؟

اہلِ سُنّت پر ایک بہت بڑا قرض تھا ۔۔۔الحمدللہ ثم الحمدللہ! خاکسار نے اس کتاب کے ذریعے وہ قرض چُکتا کر دیا۔

قارئین محترم! ہمیں گورنرز سے کہیں زیادہ وہ گورنر مقرر کرنے والے بدعتی سے بیزار رہنا چاہیے ۔جس نے یہ قبیح ترین اور بدترین رسم جاری کی اور اُمتِ مسلمہ میں فتنہ وفساد بپا کر کے ایک ایسی بدعتِ سیئہ متعارف کروائی کہ جس کے اثرات سے آج تک ہم باہر نہ نکل سکے۔لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ صحابہ کرام پر سَب وشتم کرتے ہیں اس لئے کافر ہیں۔

میرا یہ سوال ہے کہ جس نے سب وشتم کا باقاعدہ آغاز کروایا، جو اس رسم کا بانی ہے اور سب وشتم بھی آلِ رسول پر۔۔۔۔۔اُس بدعتی کے حوالہ سے یہی لوگ خاموش کیوں ہیں؟

ان کے فتاویٰ یہاں آ کر گُم کیوں ہیں؟

انہی کے فتاویٰ کی روشنی میں معاویہ اینڈ کمپنی کہاں کھڑے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ بوجھ نصیب فرمائے۔(آمین)

کیا صحابہ کو شہید کرنے والا مومن ہے؟

گزشتہ اوراق میں یہ بات بالصراحت کی جا چکی ہے کہ معاویہ اور اُس کے گورنرز کی اس ہرزہ سرائی پر صحابہ کرام ان کے شدید ترین مخالف بن گئے اہلِ مدینہ نے تو اس کا یہ حل ڈھونڈا کہ وہ اقامت کے وقت مسجد میں جاتے اور نماز کے بعد گھروں کو واپس ہو لیتے اس پر مروان لعین نے کیا طریقہ اختیار کیا شیخ محمود الحسن دیوبندی ''التقریر للترمذی'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے عیدین سے قبل خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا مروان بے حد درجہ کا ظالم اور سُنتِ نبوی سے پیٹھ دکھانے والا اور اس سے منہ موڑنے والا تھا۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماع میں اہلِ بیت اطہار پر سب وشتم کرتا تھا اور لوگ اس کے سب وشتم کی وجہ سے نمازِ عید کے اور اس کے خطبے کا انتظار کیے بغیر چلے جاتے تھے۔اس لئے اس نے نماز پر خطبے کو مقدم کیا تا کہ لوگ منتشر نہ ہوسکیں کیونکہ ان کے لئے نماز کا انتظار تو ناگزیر تھا۔''

الکواکب الدری میں ہے:

" اول من خطب قبل الصلوٰۃ مروان بنیۃ فاسدہ فکان یعرض فی خطبتہٖ باھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولیسئ الادب بھم "

مروان (لعین) نے سب سے پہلے بُری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز پر مقدم کیا کیونکہ وہ سب اپنے خطبہ میں اہلِ بیتِ نبی پر سب وشتم کرتا تھا اور اُن کے حق میں بے ادبی کرتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ اہلِ بیت کی اس ایذا رسانی پر صبر نہ کر سکے اور نماز کے فوری بعد خطبہ سُنے بغیر گھروں کو لوٹ جاتے۔ تب مروان (لعین) نے خطبہ مقدم کیا تا کہ لوگوں کو مجبور کر کے خُطبہ سُنائے۔ پس اس کا یہ فعل خبث کا مظاہرہ تھا۔ جس پر لوگوں نے اظہارِ نفرت کیا۔

یہ تو مدینہ کی صورتحال تھی اب کوفہ میں کیا چل رہا تھا۔ آیئے جانتے ہیں: تاریخ طبری و دیگر کتب میں ہے: ''معاویہ کے زمانہ میں جب زیاد کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ دیتا تو خطبہ میں حضرت علی (علیہ السلام کو گالیاں دیتا تھا۔ اس پر حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کر اس کو جواب دیتے اور حضور سیدنا علی المرتضیٰ (علیہ السلام) کی تعریف کرتے۔ زیاد نے حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کہ ایک جلیل القدر صحابی تھے بمعہ ان کے بارہ ساتھیوں کے گرفتار کر کے شام بھیج دیا (بعض کتبِ سیر میں یہ تعداد 40 ہے) معاویہ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر سب وشتم کرو تو

تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت حجر بن عدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا کہ میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب تعالیٰ کو ناراض کرے۔ آخر کار حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے سات ساتھی شہید کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک عبدالرحمٰن بن حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اُسے خط میں لکھا کہ انہیں بدترین طریقہ سے قتل کردو۔ چُنانچہ اُس (لعین) نے عبدالرحمٰن بن حسان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو زندہ دفن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ محبینِ اہلِ بیت کے درجات بلند کرے اور ان کے قاتلین کو عبرتناک سزا دے۔)

(تاریخ طبری، الاستعیاب، البدائیہ والنہایہ، تاریخ ابنِ خلدون)

حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل القدر، صاحبِ فضیلت صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔ آپ کے بارے میں البدائیہ والنہائیہ میں ہے کہ ابنِ عساکر نے کہا کہ حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ایک اور روایت میں ہے کہ حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی ہانی بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔

حافظ ابن عبدالبر الاستعیاب میں لکھتے ہیں:

"كان حجر من فضلاء الصحابة"

حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبِ فضیلت وتکریم صحابہء کرام

میں سے تھے۔ پھر وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یحییٰ بن سلیمان کا قول نقل کرتے ہیں کہ حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستجاب الدعوات اور افاضل صحابہ میں سے تھے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے امام حاکم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے بھائی حضرت ہانی بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفد کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا ہے کہ حجر بن عدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) صحابی تھے اور اسد الغابہ میں ہے کہ حضرت حجر کا لقب **حجر الخیر** نیکو کار حجر مشہور تھا اور آپ اپنے بھائی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ کا شمار افاضل اور اکابر صحابہ میں ہوتا تھا۔ امام حاکم نے المستدرک میں حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب کا ایک باب قائم کیا ہے اور آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''**ھو راھب اصحاب محمد**'' یعنی حضرت حجر بن عدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اصحابِ محمد میں درویش صفت اورزاھد انسان تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت کے بعد اسلام کا زمانہ پایا اور وہ اپنے بھائی حضرت ہانی بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بصورتِ وفد بارگاہِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

العبر فی خبر غبر میں حافظ ذھبی لکھتے ہیں:

" وفيها قتل بعذراء حجر بن عدی الکندی واصحابه
بامر معاوية ولحجر صحبة وفادة وجهاد وعبادة۔"

اسی سال حجر بن عدی اور اُن کے رفقاء معاویہ کے حکم سے عذراء کے مقام پر قتل ہوئے۔ حجر صحابی ہیں جو وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ایک عبادت گزار بُزرگ تھے۔ جنہوں نے جہاد (بالسیف) میں بھی حصہ لیا۔

''الاعلام''میں علامہ خیر الدین زرکلی نے حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بہادر صحابی لکھا ہے۔

قارئین کرام! اللہ رب العزت نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرمایا:

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ﴿۹۳﴾

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے
کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر
لعنت کی اور اس کے لیے تیار کر رکھا بڑا عذاب۔

(سورۃ النساء آیت ۹۳)

اب اِس آیت مبارکہ کو ذہن میں رکھ لیں اور ذرا غور کریں کہ اگر ایک مومن کے قتل کی سزا جہنم ہے تو پھر صحابیٔ رسول کو شہید کرنے کی سزا کس قدر سخت ہوگی۔ اور پھر اس قتل کی سنگینی اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب مندرجہ ذیل حقائق علم میں آتے ہیں۔

حضرت حُجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جُرم صرف اتنا تھا کہ وہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تعریف کرتے تھے اور گُستاخِ علی کو گُستاخی سے روکتے تھے۔

وقتِ آخر حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا علی المرتضیٰ (علیہ السلام) پر سب وشتم کے لیے کہا گیا۔

آپ ایک تہجد گزار متقی صحابیٔ رسول تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ساتھی کو معاویہ کے کہنے پر زیاد نے اس قدر اذیت ناک سزا دی کہ جس کا تصور کر کے بھی انسانی روح کانپ اُٹھتی ہے۔یعنی زندہ درگور کرنا۔

اس ضمن میں قرآن مجید فرقانِ حمید کا فیصلہ بڑا واضح ہے اور نصِ قرآنی کا انکار کُفر ہے۔

حُجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر ایک تازیانے کی طرح تمام صحابۂ کرام اور تابعین نے محسوس کی۔اس شہادت سے معاویہ اور اُس کے حواریوں کے خلاف نفرت اور بھڑکی اکابرینِ صحابہ کا اس بارے میں کیا طرزِ عمل تھا آیئے جانتے ہیں۔

البدائیہ والنہائیہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو سیدنا امام حسین علیہ السلام نے استفسار کیا۔کیا ان کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہے؟ اور کیا انہیں بیڑیوں اور بندشوں ہی میں دفن کیا گیا ہے جواب ملا کہ ہاں تو اس پر امام عالی مقام امام حسین

علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خُدا کی قسم! ان کی حجت قاتلین پر تمام ہوگئی۔

(البدائیہ والنہائیہ)

اب بھی اگر کوئی قاتلین کے لیے بخشش کے پروانے جاری کرے تو یہ اُس کی بھول ہے۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا اس واقعہ سے معاویہ بن ابی سفیان پر کس قدر برہم تھیں اس کا اندازہ آپ کو تاریخ طبری میں درج اس واقعہ سے ہوگا۔ چنانچہ تاریخ طبری میں ہے کہ معاویہ نے جب حج کیا تو سیدہ عائشہ صدیقہ (سلام اللہ علیہا) کے دروازے سے گزرا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔

معاویہ کے بیٹھنے کے بعد اُم المومنین (سلام اللہ علیہا) نے ارشاد فرمایا: معاویہ تم کو اس بات کا اطمینان کیسے ہوا کہ تمہارے قتل کے لئے میں نے یہاں کسی کو چُھپا کر نہ رکھا ہوگا۔ (یہ الفاظ اُم المومنین سلام اللہ علیہا کے معاویہ کے حوالے سے خیالات کا بھرپور اظہار کررہے ہیں۔ گویا اگر آپ کے لئے ممکن ہوتا تو آپ صحابئ رسول کے قتل کے بدلہ میں اسے بھی قتل کروا دیتیں۔ لیکن چونکہ عنانِ حکومت اور قاضی القضاۃ کے منصب آپ کے پاس نہ تھے۔ اس لئے آپ نے یہ نہ کیا۔)

معاویہ نے کہا: میں تو بیت الامن میں آیا ہوں۔ اس پر اُم المومنین (سلام اللہ علیہا) نے فرمایا:

''معاویہ حُجر واصحابِ حُجر کے قتل کرنے میں تجھے خوفِ خُدا لاحق نہ ہوا؟''

(تاریخ طبری حصہ چہارم)

تاریخ طبری ہی میں حضرت حُجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے حوالہ سے مندرجہ ذیل الفاظ معاویہ اوراس کے مصاحبین کے متعلق درج ہیں:

''ویل ھو ان پر حجر اور اصحابِ حجر کی طرف سے -----

ویل ھوان پر حجر اور اصحابِ حجر کی طرف سے۔''

(تاریخ طبری حصہ چہارم)

قُرآنِ مجید فرقانِ حمید کی نصِ قطعی اور دو عظیم ترین ہستیوں کے اس حوالے سے مؤقف کو جان لینے کے بعد اس واقعہ پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔آیئے آگے بڑھتے ہیں۔

مُنافقین کی نشانیاں اور معاویہ

صحیح مسلم کتاب الایمان میں ہے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: اُس ذات کی قسم! جس نے دانہ اُگایا اور جان کو پیدا کیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی:

''ان لا یحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق۔''

اے علی! مومن کے علاوہ کوئی تجھ سے محبت نہیں کرے گا اور مُنافق کے علاوہ کوئی تجھ سے بُغض نہیں رکھے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان)

امام نسائی خصائص علی (علیہ السلام) میں حضور مولا علی (علیہ السلام) کی محبت اور بُغض کے حوالے سے ذیل کی احادیث لائے ہیں۔

جناب زر بن جیش حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اُس خُدا کی قسم! جس نے جنت کو پیدا کیا اور رُوح کو خلق کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے لئے تاکیداً فرمایا کہ مجھ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہے اور مُجھ سے وہی بُغض رکھے گا جو مُنافق ہے۔

عدی، زر سے یہی حدیثِ مبارکہ روایت کرتے ہیں۔

(خصائص علی از امام نسائی)

حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان میں جمع ہونے والے لوگوں سے کہا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے بیان کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غدیرِخم کے دن لوگوں کو ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں مومنوں کی جانوں کا اُن سے زیادہ مالک اور اولیٰ واقرب ہوں اور آپ کھڑے تھے۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا دستِ مبارک پکڑ کر فرمایا:

جس کا میں مَولا ہوں اُس کا علی مولا ہے، الٰہی اس کے دوست سے دوستی فرما اور اس کے دُشمن سے دُشمنی رکھ۔

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔"

ابوطفیل کہتے ہیں کہ میں اس اجتماع سے باہر آیا تو میرے دل میں اس حدیث کے متعلق خلجان تھا، چنانچہ میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مُلاقات کی تو اُنہوں نے فرمایا: تو شک کرتا ہے جب کہ میں نے اسے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا ہے اور یہ الفاظ ابوداوَد کے ہیں۔

(خصائص علی)

تاریخ الخلفاء، خصائص علی و دیگر کتب میں ہے حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) کا بیان ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے طلب کر کے فرمایا: اے علی! تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مانند ہے جن سے یہودیوں نے اتنا بغض وعناد رکھا کہ کہ ان کی والدہ محترمہ پر بہتان تراشی کی اور عیسائیوں نے ان سے اتنی محبت کی کہ اُن کو اُن کے موقف سے بڑھا دیا۔

(تاریخ الخلفاء وخصائص علی)

سبحان اللہ! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ بات حضرت علی علیہ السلام کے حق میں حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ چنانچہ آج بھی یہ دونوں فرقے ہمارے ہاں پوری شدّ ومد کے ساتھ موجود ہیں۔ بہتان تراشی کرنے

والے بھی ہیں۔اور آپ کی اُلوہیت کے قائل لوگ بھی موجود ہیں۔مگر خیال رہے کہ بُغض رکھنے والوں کو، بہتان تراشی کرنے والوں کو، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیوں سے تشبیہہ دی ہے اور محبت میں غلو کرنے والوں کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیوں سے تشبیہہ دی ہے۔اعتدال یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے محبت بھی کی جائے لیکن اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غُلام سمجھ کر۔

قارئین کرام! اِس مضمون پر اور بھی بہت سی احادیثِ مبارکہ ہیں جنہیں آپ فقیر کی کتاب ''بے عیب ذات'' یا ''لایقاس بآلِ محمدؐ'' میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں پر بات سمجھانے کے لیے اتنی ہی کافی ہیں۔ احادیث مبارکہ کا مطالعہ آپ نے کرلیا اب ذرا غور کیجئے:

وہ شخص جس نے امامِ برحق خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کی۔

جس نے آپ علیہ السلام پر قتلِ عثمان کے حوالہ سے جھوٹی بہتان تراشی کی۔

جس نے ساری زندگی آپ علیہ السلام سے بُغض وعناد رکھا۔

جس کے پورے دورِ حکومت میں سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام پر سب و شتم ہوتا رہا۔

جو بُغضِ علی میں اِس قدر آگے تھا کہ آپ علیہ السلام کے لختِ جگر سیدنا امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت پر اُس نے اظہارِ مُسرت کیا۔

جس نے بُغضِ علی میں محبینِ علی کو قتل بھی کروایا۔ ان مندرجہ بالا احادیثِ مُبارکہ کی روشنی میں ایسے شخص کو کیا کہا جائے اور اُس کی ایمانی کیفیت کیا

تھی ؟؟ یہ فیصلہ میں قارئین پر چھوڑتا ہوں بس مجھے صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آرہا ہے:

علی نال بُغض رکھیں ایویں توں نکمیا
اوتھے تیرا ج ہووے جتھے علی جمیا

نشانیاں اور بھی ہیں۔۔۔۔

بُغضِ علی کی وجہ سے مُنافقین کی جن دیگر نشانیوں کا ذکر ہمیں احادیثِ مبارکہ میں ملتا ہے۔ وہ بھی بنو اُمیہ کے اس پہلے بادشاہ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ آیئے پہلے حدیثِ مُبارکہ پڑھتے ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مُنافق کی تین نشانیاں ہیں: اول بات کرے تو جھوٹ بولے۔

دوم وعدہ کرے تو اُسے پورا نہ کرے۔

سوم اُسے امانت دی جائے تو اُس میں خیانت کرے۔

اب ان تینوں نشانیوں کو ذہن میں رکھ لیں اور آئیں ذرا تاریخ کے اوراق کو کھنگالتے ہیں: تاریخ الخلفاء و دیگر کتبِ سیر میں ہے: 51ہجری میں معاویہ نے حج کیا اور اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینا شروع کی اور حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلوا کر حمد و ثناء کے بعد کہا:

’’ آپ کا مقولہ تو ہے کہ جس دن مجھ پر کوئی امیر نہ ہو اُس رات

مجھے سونا گوارا نہیں۔''

اب میں تمہیں مُسلمانوں کے اتحاد میں پھوٹ ڈالنے سے خوف دلاتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں کسی قسم کے فساد کی کوشش نہ کرو گے۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر پہلے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توصیف بیان کی اور پھر کہا: آپ سے پہلے والے خلفاء کے بھی فرزند تھے۔ ان کے بیٹوں سے آپ کا بیٹا برتر واعلیٰ نہیں (بلکہ یہاں تو معاملہ ہی اُلٹ تھا کہاں متقی وتہجد گزار خلفائے راشدین کی اولادیں اور کہاں طنبورہ بجانے والا زانی وشرابی) اُنہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے وہ کچھ نہیں کیا جو آپ اپنے بیٹے کے لیے کرنا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے خلیفہ کا انتخاب مُسلمانوں پر چھوڑا اور اُس دور کے مُسلمانوں نے اپنے حقِ خود اختیاری کے پیشِ نظر اپنے لئے خلیفہ کا انتخاب کیا اور مسلمانوں میں جو پھوٹ ڈالنے کی دھمکی آپ مجھے دے رہے ہیں تو بخدا میں مسلمانوں میں افتراق پسند نہیں کرتا اب بحالتِ موجودہ مسلمانوں کا اجتماع واتفاق جس پر ہوگا اُسی کو خلیفہ بنایا جائے گا اور میں بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تقریر سُن کر معاویہ نے کہا: اللہ آپ پر رحم وکرم کرے۔

پھر معاویہ ابن ابی سفیان نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلوا کر پہلے کی طرح کہنا شروع کیا۔ جس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: آپ کو گمان ہو گیا ہے کہ یزید کی ولیعہدی کے بارے میں ہم نے آپ کو اپنا وکیل اور مختارِ عام بنا رکھا ہے۔ بخدا آپ کا یہ گمان باطل ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمان مجلسِ شوریٰ میں کسی بات پر متفق ہو جائیں وگرنہ تفرقہ پروری کا بار آپ ہی کے کندھوں پر رہے گا۔ اتنا کہہ کر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے۔تو معاویہ نے کہا: اے اللہ! میری مدد کر اور یزید کی ولی عہدی وخلافت کے نتائج سے میری ذات کو محفوظ رکھ (یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی فرعون کا ساتھ بھی دے اور پھر دُعا کرے کہ میرا حشر فرعون کے ساتھ نہ ہو۔ ایسی ہی خلافِ فطرت دُعائیں مانگنے سے حضور نے منع کیا ہے۔صنم پرستی کر کے اگر کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! مجھے اس کے اثرات سے محفوظ رکھ تو یہ اُس کی بھول ہے۔یعنی ڈاکہ زنی بھی کرو اور پھر تمنا بھی رکھو کہ مواخذہ نہ ہو۔۔۔۔کیا کہنے) پھر نرمی سے کہا: آپ سختی ودرشتی نہ کیجئے اور اپنا تخیل باشندگانِ شام تک نہ جانے دیجئے مجھے خوف ہے کہ وہ آپ سے سبقت نہ کر بیٹھیں صرف ایک رات کی مہلت دیجئے تا کہ راتوں رات میں اُن کو اطلاع کر دوں کہ آپ نے بیعت کر لی ہے اس کے بعد آپ حسبِ دلخواہ ضروری تدابیر کر لیجئے گا۔اس کے بعد معاویہ نے حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور کہا کہ تم ایک شاطر لومڑی کی طرح ہو جو ایک سوراخ سے نکل کر دوسری میں گُھس جاتی ہے۔

ابنِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں کے

کان میں تم نے ہی کچھ پھونک دیا ہے اور کسی دوسرے شخص کے حق میں رائے دہی پر آمادہ کر دیا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً کہا کہ اگر آپ خلافت سے بیزار ہو گئے ہیں تو بسم اللہ شوق سے استعفیٰ دیجئے اور اپنے بیٹے کو بُلا لیجئے تا کہ ہم اُس ہی کی بیعت کر لیں۔

آپ ذرا خود غور فرمائیے کہ اگر آپ کی موجودگی میں ہم آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو وہ خلیفہ ہو جائیں گے اور اس حالت میں ہم کس کی اطاعت کریں گے اور کس کا کہا مانیں گے؟ وقتِ واحد میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کس طرح بیعت کی جائے۔ یہ کہہ کر عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی چلے گئے۔ اس کے بعد معاویہ نے برسرِ منبر آ کر کہا کہ میں نے کج رو لوگوں کی یہ باتیں سُنی ہیں کہ ابنِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی بھی یزید کی بیعت نہیں کریں گے حالانکہ اُنہوں نے برضا و رغبت بیعت کر لی ہے۔ (اس فقرے کو بار بار غور سے پڑھیں آپ کو آج کے سیاست دانوں کے مکروفریب اور کذب بیانی اس کے سامنے ہیچ نظر آئیں گے۔) اس پر شامیوں نے کہا: ہم اس کی اُس وقت تصدیق کریں گے جب کہ وہ ہماری موجودگی میں علی الاعلان بیعت یزید کا اقرار کریں گے۔ (جھوٹا شخص اعتبار کھو بیٹھتا ہے، شامی بھی روز روز کے جھوٹ سُن کر جان گئے تھے کہ موصوف کتنے سچے ہیں۔) وگرنہ ہم ان کے سر قلم کر دیں گے۔

اس پر معاویہ نے کہا: سبحان اللہ! استغفر اللہ! قُریش کی شان

میں اس قدر جلد بازی اور یہ شرارت آئندہ تم میں سے کسی کی زبانی ایسی گستاخ باتیں سُننا پسند نہیں کروں گا۔اس کے بعد منبر سے اُتر گئے اور لوگ باہم کہنے لگے ابنِ ابوبکر، ابنِ عمر اور ابنِ زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیعت کر لی۔اس پر جب لوگوں نے ان تینوں حضرات سے رابطہ کیا تو تینوں نے ہر شخص کو یہ جواب دیا کہ ہم میں کسی نے بھی یزید کی خلافت پر بیعت نہیں کی ہے۔

(تاریخ الخلفاء از حافظ جلال الدین السیوطی)

آپ نے یہ واقعہ پڑھ لیا۔اب ایک اور حدیث شریف پڑھتے ہیں:

کسی صحابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ہاں ہوسکتا ہے۔

اس پر صحابیٔ رسول نے کہا: یارسول اللہ! کیا مومن کنجوس ہوسکتا ہے؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں ہوسکتا ہے۔

صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرا سوال کیا: یارسول اللہ! کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن ہرگز جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

قارئینِ محترم! قُرآنِ مجید فُرقانِ حمید میں ہے:

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

اور جھوٹوں کے بارے میں ہے:

لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ

میں نہیں جانتا محبینِ معاویہ و یزید آیاتِ قُرآنی اور احادیث نبوی کے حوالہ سے کیا رائے رکھتے ہیں؟ آیئے آگے بڑھتے ہیں۔ منافقین کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ وعدہ وفا نہیں کرتے۔ قرآنِ مجید فُرقانِ حمید میں ہے:

''وعدوں کو پُورا کرو یقیناً وعدے کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔''

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لا دین لمن لا عهد له''

جو وعدہ پورا نہیں کرتا اُس کا کوئی دین نہیں ہے۔

سیدنا امام حسن علیہ السلام اور معاویہ میں جو معاہدہ ہوا اُس کی کچھ شرائط تھیں ان شرائط کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جاچکا ہے۔ شرائطِ صُلح میں سے ایک یہ تھی کہ معاویہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کریں گے۔ بلکہ مسلمان اتفاق رائے سے اپنے خلیفہ کا انتخاب کریں گے۔ مگر معاویہ نے اس شرط کو پورا کرنے کی بجائے اپنے سیاہ کرتوتوں والے بچے کی بیعت کے لیے ہر جابرانہ اور گمراہ کن ہتھکنڈا استعمال کیا جس سے پوری اُمتِ مسلمہ واقف ہے۔ شرائطِ صُلح میں سے ایک شرط یہ تھی کہ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام پر سب وشتم نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابنِ خلدون اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ شرائطِ صُلح میں سے ایک شرط یہ تھی:

ولا یشتم علیاً۔

کہ حضرت علی (علیہ السلام) پر سَب وشتم نہیں کیا جائے گا۔

یہی شرط حافظ ابنِ کثیر نے البدائیہ والنہائیہ میں اور ابنِ جریر نے تاریخ طبری میں بیان کی ہے۔معاویہ نے اس شرط کا جوحشر کیا آپ بخوبی جانتے ہیں۔گزشتہ اوراق میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

صُلح کی شرائط میں سے پانچویں شرط یہ تھی کہ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے تابعداروں پر کسی قسم کا جبر وتشدد نہیں ہوگا۔معاویہ نے اس شرط کو اس طرح سے پورا کیا کہ جلیل القدر صحابئ رسول حضرت حُجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کہ معاویہ کے لعین گورنروں کو گالم گلوچ سے روکتے تھے۔ اُن کے ساتھیوں سمیت انتہائی سفاکی اور بربریت کے ساتھ شہید کر دیا۔ بوقتِ شہادت صحابئ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاویہ سے کہا تھا کہ معاویہ اب تم سے بروزِ محشر پُل صراط پر مُلاقات ہوگی۔

شرائطِ صُلح میں سے ایک یہ بھی تھی کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام اور آلِ رسول کو تکلیف نہیں دی جائے گی۔اس شرط کا جواب اس طرح سے دیا گیا کہ سیدنا امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا کر شہید کر دیا گیا اور بقیہ خاندانِ رسول کو یزید پلید کی بیعت کے لیے ہر طرح سے اذیت دی گئی۔

ایک شرط یہ بھی تھی کہ دارابجرد کا خراج سیدنا امام حسن (علیہ السلام) کو دیا جائے گا۔معاویہ نے اہلِ بصرہ کے نام خط لکھا کہ دارابجرد کا خراج سیدنا امام

حسن (علیہ السلام) کو نہ دیا جائے۔

ابنِ اثیر لکھتے ہیں:

"وکان منعهم يعني منع اهل البصرة بامر من معاوية ايضاً۔"

صُلح الحسن میں ہے:

"قال الطبري وحال اهل البصرة بين الحسن و بين خراج دارا بجرد وقال ابن الاثير وكان منعهم يعني منع اهل البصرة بامر من معاوية ايضاً۔

شرائطِ صُلح میں سے ایک شرط میں معاویہ کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ، سُنتِ رسول اور خلفائے راشدین کی سیرت کے مطابق حکومت کریں گے۔ اس شرط کو معاویہ نے اس طرح سے پُورا کیا کہ اپنے پورے دورِ حکومت میں نہ تو کتاب اللہ کے مطابق عمل کیا، نہ ہی سُنتِ رسول کی پیروی کی اور نہ ہی خُلفائے راشدین کی سیرت کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ معاویہ کے بارے میں اجماعِ اُمت یہ ہے کہ اُس نے اپنے دورِ حکومت میں قیصر و کسریٰ کی یاد تازہ کردی۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں دینِ مُعاویہ کیا تھا؟ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مُنافق کی تیسری نشانی جو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اُسے امانت دی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے۔

خلافت راشدہ کے بنیادی اوصاف کے تذکرہ میں آپ یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ بیت المال کا تصور اور تصرف اسلام میں یہ ہے کہ یہ اللہ کا مال ہے اُس کی امانت ہے اور اسے قوم کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے گا نہ کہ خلیفہ کی ذاتی ملکیت متصور ہوگا۔ دورِ معاویہ میں کیا صورتحال تھی آیئے؟ اس کی ایک جھلک مندرجہ ذیل واقعہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

اس واقعہ کو حافظ الحدیث امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اور ابنِ عساکر نے حمید بن بلال کی زبانی لکھا ہے کہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضرت علی (علیہ السلام) سے کہا میں فقیر و محتاج ہو گیا ہوں مجھے کچھ دے دیجئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر ٹھہریئے۔ جب دوسروں کو دوں گا تو آپ کو بھی ان کے ساتھ دوں گا۔ جب حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ اصرار کیا تو حضور مولا علی علیہ السلام نے ایک آدمی سے کہا ان کا ہاتھ پکڑ کے انہیں شہر کی دکانوں کے پاس لے جاؤ اور وہاں پہنچ کر ان سے یہ کہنا کہ یہ قفل توڑ لو اور دُکانوں میں جو کچھ ہے لے جاؤ۔

حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا چور بنا کر مجھے پکڑوانا چاہتے ہو؟ اس پر سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تو کیا آپ مجھے چور بنانا چاہتے ہیں کہ لوگوں کی عدم موجودگی میں مُسلمانوں کا مال بیت المال میں سے نکال کر آپ کے حوالے کر دوں (سبحان اللہ! رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے اسی لئے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ علی کا شکوہ نہ کرو۔ وہ احکامِ الٰہی کے اجراء میں سخت گیر ہیں اور ذرا بھی سُستی نہیں کرتے ۔ (خصائص علی) اس پر حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو پھر میں معاویہ کے پاس چلا جاتا ہوں آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اختیار حاصل ہے۔ چُنانچہ حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ کے پاس جا کر کچھ طلب کیا۔

معاویہ نے ان کو ایک لاکھ دے کر کہا علی (علیہ السلام) نے اور میں نے جو کچھ آپ کو دیا ہے اس کا برسرِ منبر اعلان کر دیجئے۔ چنانچہ عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برسرِ منبر بعد از حمد وثناء ارشاد فرمایا: لوگو! تمہیں اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے وہ چیز طلب کی جو اُن کے مذہب پر ضربِ کاری تھی ۔ چنانچہ اُنہوں نے وہ چیز مجھے نہ دی اور اپنے مذہب کو محفوظ رکھا پھر وہی چیز میں نے معاویہ سے طلب کی اور معاویہ نے اپنے مذہب پر مجھے اور میرے مطالبے کو ترجیح دی۔

قارئینِ کرام! خلفائے راشدین بیت المال کی ایک ایک پائی خرچ کرنے کے حوالے سے خود کو خُدا کے ہاں جواب دہ سمجھتے تھے۔ جبکہ ان کا اپنا وظیفہ انتہائی قلیل ہوتا تھا۔ جس سے صرف گزراوقات ہوتی۔ خود بھی سادہ زندگی گزارتے اور اپنی اولادوں کو بھی اس کی تلقین کرتے ۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ ایک دفعہ حضرتِ عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند عاصم کو گوشت کھاتے دیکھ کر فرمایا: کیا کھا رہے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا گوشت کو جی چاہ

رہا تھا۔۔۔۔ یہ سُن کر فرمایا تب تو ہر چیز کھانے کے لیے چوری کرنے کو بھی تمہارا جی چاہے گا۔

ایک طرف تقویٰ کا یہ معیار ہے کہ سگے بھائی کو بھی نوازا نہیں جا رہا، اولادوں کو فقط گوشت کھانے پر سرزنش کی جارہی ہے اور دوسری طرف حال یہ تھا کہ بیت المال کو ذاتی جاگیر اور ملکیت سمجھ کر بے دریغ استعمال کیا گیا۔ جو ڈر سکتے تھے اُنہیں ڈرایا گیا اور جو مالِ دُنیا کے طلب گار تھے اُنہیں خرید کر اپنے بیٹے کی ولی عہدی کی راہ ہموار کی گئی۔ اپنے رہنے کے لیے محلات اور دربان مقرر کیے گئے اور اولادوں کو مال وزر سے نواز کر کُھلا چھوڑ دیا گیا کہ اُن کے جو جی میں آئے وہ کریں اس خیانت کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہزادے نے رنڈی بازی اور شراب کی محفلیں سجانا شروع کر دیں۔ اور معاویہ کی مرگ تک وہ پُورا خبیث اور پلید بن چُکا تھا۔

معاویہ کی یزید کے نام وصیت سے بھی اس بات کا پُول کھلتا ہے کہ بیت المال پر کس قدر ہاتھ صاف کیا گیا۔

چنانچہ تاریخ طبری و دیگر کتبِ سیر میں ہے۔ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید سے کہا: ''بیٹا میں نے تجھے زحمتِ مشقت وسفر سے بچا لیا تیرے لیے ہر امر کو سہل کر دیا۔ تیرے لئے دُشمنوں کو میں نے رام کر دیا تیرے لئے عرب کی گردنوں کو میں نے جُھکا دیا۔ تیرے لئے میں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔

(تاریخ طبری حصہ چہارم)

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ بنواُمیہ کا

پہلا حکمران دروغ گو، وعدہ شکن اور خائن تھا اور اس طرح سے منافقت کی تمام تر صفات اُس میں پوری آب وتاب کے ساتھ موجود تھیں۔

کہیں یہ بددُعا کا اثر تو نہیں۔۔۔۔؟

معاویہ بن ابی سفیان کے اس قدر حریص اور لالچی ہونے کی وجہ میرے نزدیک تو اس بددُعا کا اثر ہے: ''لا اشبع اللہ بطنہ'' یعنی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاویہ کے لیے کہا تھا کہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک بار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی کام کے لیے معاویہ کو بُلایا۔ اس نے پیغام رساں کو جواب دیا کہ حضور سے کہو کہ میں کھانا کھا رہا ہوں اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اقدس سے یہ الفاظ نکلے: ''لا اشبع اللہ بطنہ'' اللہ اس کے پیٹ کو کبھی نہ بھرے۔ اس حدیث کا ذکر سیدنا امام حسن علیہ السلام نے اپنے خطبات میں بھی کیا۔ اور اسی حدیث کا ذکر خصائص علی (علیہ السلام) جو کہ امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ہے اُس کے تعارف میں بھی ہے۔ چنانچہ خصائص علی علیہ السلام از امام نسائی کے صفحہ نمبر ۲۶ پر لکھا ہے:

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''امام نسائی کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ جب آپ مناقبِ مُرتضویٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الخصائص کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اُنہوں نے چاہا کہ اس کتاب کو دمشق کی جامع مسجد میں پڑھ

کر سُنائیں تا کہ بنو امیہ کی سلطنت کے اثر سے عوام میں ناصبیت کی طرف جو رُجحان پیدا ہو گیا تھا اُس کی اصلاح ہو جائے۔ ابھی آپ اس کا تھوڑا سا حصہ ہی پڑھنے پائے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا: امیر معاویہ کے مناقب کے متعلق بھی آپ نے کچھ لکھا ہے؟

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ:

''معاویہ کے لئے یہی کافی ہے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں اُن کے مناقب کہاں ہیں۔''

(امام نسائی اگر کسی پاکستانی مولوی سے ملے ہوتے تو شاید دو چار موضوع اور من گھڑت روایات سُن لیتے۔ بہر حال امام نسائی تو وہ تھے کہ جن کے بارے میں امام حاکم صاحبِ مستدرک، حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور مشہور ماہرِ رجال علامہ ذہبی کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حدیث، علل حدیث اور اسمائے رجال کے علوم میں امام نسائی مسلم، ترمذی اور ابو داؤد سے بھی زیادہ ماہر ہیں۔)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ بھی کہا تھا کہ مجھے معاویہ کے مناقب میں سوائے اس حدیث ''لا اشبع اللہ بطنہ'' کے اور کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔ یعنی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معاویہ کے پیٹ کو نہ بھرے آپ کے یہ الفاظ سُنتے ہی لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور شیعہ شیعہ کہہ کر مارنا شروع کر دیا اُن کے خصیتین میں چند ایسی شدید ضربیں پہنچیں کہ نیم جان ہو گئے تو خادم اُنہیں اُٹھا کر گھر لے آئے۔ پھر فرمایا کہ مجھے ابھی مکہ

معظّمہ پہنچادو تا کہ میرا انتقال مکہ مکرمہ یا اُس کے راستے میں ہو۔ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات مکہ معظّمہ میں ہوئی اور وہاں صفا و مروہ کے درمیان میں دفن کیے گئے۔

(خصائص علی از امام نسائی مترجم علامہ صائم چشتی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمۃ اللعالمین ہیں مگر معاویہ کے اس طرزِ عمل سے آپ کو کس قدر تکلیف پہنچی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ اقدس پر یہ الفاظ آ گئے۔ یہ الفاظ دراصل پیشن گوئی ہیں۔ تاریخ کے اوراق اِس بات کے گواہ ہیں کہ معاویہ کا پیٹ کبھی نہ بھرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا:

''عہدہ مت مانگو، اگر تم عہدہ مانگو گے اور تمہیں دے دیا گیا تو تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔''

اور فرمایا کہ اگر تمہیں بن مانگے بنا حرص عہدہ ملا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی (اس کی مثال خلفائے راشدین کی خلافت ہے اُنہیں بنا حرص خلافت ملی اور پھر اُن کی مدد بھی کی گئی) معاویہ نے اہل نہ ہونے کے باوجود عہدہ و منصب کی حرص کی۔۔۔۔۔حرص نے خروج کروایا۔

حرص نے خلیفہء برحق سے لڑوایا۔

حرص نے بہتان تراشی کروائی۔

حرص نے پھر امامِ عادل کے خلاف بھی بغاوت کروائی۔۔۔۔جن کے قدموں میں بیٹھنے کا حکم تھا اُنہیں سے لڑوایا۔ بالآخر اُنہوں نے اُمت کو فساد اور خون ریزی سے بچانے کی خاطر اس حریص شخص کو حکومت و سلطنت دے دی مگر

چند شرائط کے ساتھ ۔۔۔۔۔۔لیکن حرص سلطنت وحکومت کے مل جانے کے بعد بھی تھمنے کا نام نہیں لے رہی۔۔۔۔۔۔حرص نے مجبور کیا کہ بیت المال کو ذاتی جاگیر کی طرح استعمال کرو۔۔۔۔۔حرص نے مالِ دُنیا جمع کروایا۔کتنا کروایا؟ اس قدر کروایا کہ یزید کے نام وصیت میں معاویہ نے خود اعتراف کیا کہ ''تیرے لیے میں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ کسی اور نے نہ کیا ہوگا۔''

یقیناً قیصر وکسریٰ کی روحیں بھی شرماتی ہوں گی کہ جو کچھ اس نے کیا، ہم نہ کر سکے۔ہائے افسوس! حرص کہاں تک لے آئی۔۔۔۔مگر دیکھئے حرص یہاں بھی تھمی نہیں۔مالِ دُنیا جمع کرنے اور خزانے اکٹھے کرنے کے بعد حرص نے مجبور کیا کہ اپنے فاسق وفاجر بیٹے کے لیے بھی حکومت وسلطنت حاصل کی جائے ۔۔۔حرص نے دھن اور دھونس کا بھرپور استعمال کروایا۔۔۔۔۔۔یہاں تک کہ دائمی اجل نے مزید مہلت نہ دی وگرنہ ''ھل من مزید'' کا یہ لامتناہی سلسلہ تھا:

''اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢''

ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ایسے حشر سے۔قارئینِ کرام! یہ بے ادبیَ نبی۔بُغضِ علی اور بُغضِ اہلِ بیت کا شاخسانہ ہے۔یہ ایسی حماقت اور بُرائی ہے جس کی کوئی تلافی ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اُمت کو بروقت متنبہ کر دیا تھا: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی شخص بیت اللہ کے ایک کونے میں حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو پھر وہ برابر نماز پڑھے اور روزے

رکھے لیکن اُس کے دل میں بُغضِ اہلِ بیت ہو تو وہ جہنمی ہے۔''

اللہ رب العزت سے یہ دُعا ہے کہ وہ اپنی دائمی رضا و محبت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کی آل کی دائمی محبت و عقیدت نصیب فرمائے اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلِ رسول کی توفیق بخشے۔

آمین یا رب العالمین بحرمتِ سید المرسلین و آل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اکابر صحابہ کرام معاویہ کو بدعتی سمجھتے تھے

معاویہ ابن ابی سفیان کے بارے میں اُمہات المومنین کی کیا رائے تھی؟ یہ آپ جان چکے اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ سلام اللہ علیہا کا یہ کہنا کہ ''تم برسرِ منبر اللہ اور اُس کے رسول کو گالیاں دیتے ہو۔'' میرا خیال ہے کہ اس سے بڑی Charge Sheet معاویہ کے خلاف کوئی اور نہیں ہوسکتی ۔ اُمہات المومنین سلام اللہ علیہم اجمعین کے بعد آیئے اب جانتے ہیں کہ اکابر صحابہء کرام کی معاویہ کے بارے میں کیا رائے تھی ۔تاریخ الخلفاء میں ہے:

معاویہ نے حاکمِ مدینہ مروان کو لکھا کہ تم مدینہ میں یزید کی ولی عہدی کی لوگوں سے بیعت لے لو چنانچہ مروان نے مدینہ میں خطبہ کے دوران یہ اعلان کیا کہ امیر (المومنین) نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے فرزند یزید کے لیے سُنتِ ابوبکر و عمر کی مانند بیعت لے لوں۔

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کھڑے ہو کر کہا: سُنتِ ابوبکر و عمر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کے طریقے کے مطابق ۔ کیونکہ پدرِ بزرگوار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بھی اپنی اولاد یا اپنے اہلِ بیت اور گھر والوں کے لیے کسی سے بیعت نہیں لی۔

بخاری ، نسائی اور ابنِ ابی حاتم نے اسی واقعہ کو ان الفاظ کے ساتھ

متفرق واسطوں سے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں مروان منجانب معاویہ حجاز کا حاکم تھا۔اس نے ایک دن مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا:

اللہ تعالیٰ نے معاویہ کو اپنے بیٹے کے ولی عہد بنانے میں بڑی سمجھ بوجھ دی ہے اور یہ رائے بالکل درست ہے کیونکہ شیخین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی یہی سُنت ہے۔

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: شیخین کی یہ سُنت نہیں ہے بلکہ قیصر و کسریٰ کے طریقے پر اور واقعہ یہ ہے کہ پدرِ بزرگوار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخدا اپنی اولاد و اہلِ بیت کو ولی عہد خلافت نہیں بنایا اور معاویہ اپنی پدری شفقت کی وجہ سے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا رہے ہیں اس پر مروان نے کہا کہ تم وہی ہو جس کے متعلق قرآنِ کریم میں نازل ہوا کہ والدین کو اُف تک نہ کہو۔

اُنہوں نے جواب دیا اے مروان! تم ابنِ لعین ہو اور تمہارے باپ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لعنت کی ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کو ہوئی تو آپ سلام اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا: والدین کو اُف تک نہ کرو کی آیت فلاں شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب مروان اُس کی پیٹھ میں موجود تھا اور جزوِ پدر تھا۔ اس لحاظ سے مروان بھی مستوجبِ لعنت ٹھہرا۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ کے روبرو بھی اُسے اس بدعتِ سیئہ سے باز رہنے کے لئے کہا۔آپ کے الفاظ کیا تھا؟ آیئے جانتے ہیں: ’’آپ کو گمان ہوگیا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کے بارے میں ہم نے آپ کو اپنا وکیل اور مختارِ عام بنالیا ہے۔ بخدا آپ کا یہ گمان باطل ہے ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمان مجلس شوریٰ میں کسی بات پر متفق ہو جائیں وگرنہ تفرقہ پروری کا بار آپ ہی کے کندھوں پر رہے گا۔

حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی معاویہ کو اس بدعتِ سیئہ سے باز رہنے کے لیے کہا۔معاویہ جب اچھی طرح زچ ہوگیا تو کہنے لگا کہ پھر میں کیا کروں؟ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنت پر عمل کریں۔معاویہ نے کہا: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنت کیا ہے؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: حضور نے خلیفہ کا انتخاب اپنی اُمت پر چھوڑ دیا۔آپ بھی یہی کریں۔آپ کی رحلت کے بعد مسلمان خود ہی اپنے خلیفہ کو چُن لیں گے۔

معاویہ نے فوراً پینترا بدلا اور کہا: اب آپ میں ابوبکر وعمر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کہاں؟ اس پر حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے پھر آپ سُنتِ ابوبکر پر عمل کریں۔

معاویہ نے پوچھا: سُنتِ ابوبکر کیا ہے؟

فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسے شخص کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا جو اُن کا رشتہ دار نہ تھا۔ آپ بھی یزید کی بجائے کسی ایسے شخص کا خلیفہ کے طور پر انتخاب کریں جو کہ آپ کا رشتہ دار نہ ہو۔ اس پر معاویہ نے کہا: یہ مجھے قبول نہیں۔ کوئی اور مشورہ دیں۔ اس پر حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: پھر آپ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سُنت پر عمل کریں۔

معاویہ نے کہا: وہ کیا تھی ؟

فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابہ کرام کی ایک مجلسِ شوریٰ بنائی اور اُسے یہ اختیار سونپا کہ وہ باہمی مشاورت کے بعد جسے چاہیں خلیفہ نامزد کریں آپ بھی ایسی ہی ایک مجلسِ شوریٰ بنائیں ۔ وہ خود ہی مسلمانوں کے خلیفہ کا انتخاب کرلے گی مگر معاویہ کسی بات پر راضی نہ ہوا اور ناراض ہوکر وہاں سے چل دیا۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو ہر خطبہٗ جمعہ میں ''**كل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار**'' کا نعرہ بلند کرتے ہیں ۔کیا اُنہیں یہ بدعات نظر نہیں آتیں۔جن پر اجماعِ اُمت تو ہے ہی اجماعِ صحابہ بھی ہے کہ یہ معاویہ ابن ابی سفیان کے ہاتھوں سرزد ہوئیں کیا معاویہ کا حساب کتاب کسی اور قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہوگا؟

کیا معاویہ کے ہاتھوں سرزد ہونے والی بدعات سے بڑی بھی کوئی

بدعات ہیں؟ کیا معاویہ کو اللہ یا اُس کے رسول نے یہ Licence دیا تھا کہ فقط کلمہ پڑھ لو اور اُس کے بعد جو جی میں آئے کرو۔

مذہب اور ریاستِ اسلام کے ساتھ جو کھلواڑ کرنا ہے، کرو۔ تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا؟ محبینِ معاویہ کے پاس فقط دو ہی راستے ہیں۔۔۔۔۔۔ یا تو اس صحیح حدیث کا انکار کر دیں یا پھر معاویہ کا انکار کر دیں۔ تیسرا کوئی آپشن نہیں ہے۔ There is no third option at all.

تاریخ الخلفاء میں ہے: ''حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف کی۔ اور پھر معاویہ سے کہا کہ آپ سے پہلے والے خلفاء کے بھی فرزند تھے۔ ان کے بیٹوں سے آپ کا بیٹا برتر و اعلیٰ نہیں۔ اُنھوں نے اپنے بیٹوں کے لیے وہ سب کچھ نہیں کیا جو آپ اپنے بیٹے کے لیے کرنا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں پر چھوڑا اور اُس دور کے مسلمانوں نے اپنے حقِ خود اختیاری کے پیشِ نظر اپنے لیے خلیفہ کا انتخاب کیا اور مسلمانوں میں جو پھوٹ ڈالنے کی دھمکی آپ مجھے دے رہے ہیں تو بخدا میں مسلمانوں میں افتراق پسند نہیں کرتا اب موجودہ صورتحال میں مسلمانوں کا اجتماع و اتفاق جس پر ہوگا اُسی کو خلیفہ بنایا جائے گا اور میں بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں۔ جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں۔''

خلافت وملوکیت میں ہے کہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد